ہفت روزہ
خدام الدین
لاہور
پاکستان

16
17

بانی
شیخ التفسیر
حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ
مدیر مسئول
مولانا عبید اللہ انور
امیر انجمن خدام الدین لاہور
مدیر اعلیٰ
مجاہد الحسینی
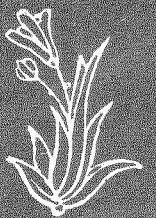
۹ رجب المرجب ۱۳۹۰ ھ
۱۱ ستمبر ۱۹۷۰ء

مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور پاکستان غربی

ہدیہ ۲۵ پیسے

احادیثِ رسول

مرتبہ: قاری فیوض الرحمٰن
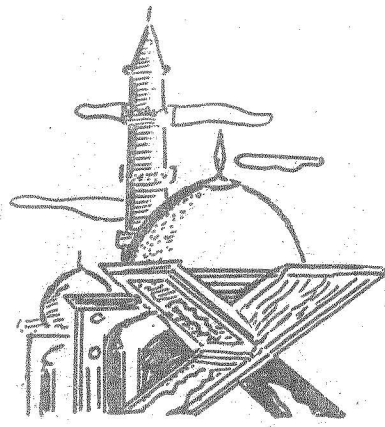
◎ ٹیک لگا کر کھانا ◎ تین انگلیوں سے کھانا
◎ گرا ہوا لقمہ ◎ کھانے میں برکت
◎ پانی میں سانس لینا ◎ داہنی طرف سے شروع کرو ◎ مشکیزہ کے منہ سے پانی نہ پیو
◎ برتن میں پھونک نہ ماری جائے ◎ آبِ زمزم کھڑے ہو کر پیا جائے

◎

ٹیک لگا کر یا اوندھے لیٹ کر کھانا نہ کھانا چاہئے۔ کیونکہ یہ صورت روحانی کیفیت کے علاوہ طبی لحاظ سے بھی مضر ہے اس لئے کہ اس شکل سے کھانا معدہ میں بآرام نہیں پہنچتا۔ آپؐ کا عمل آپ کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے جو امت کے لئے نمونہ ہے "لَا اٰکُلُ مُتَّکِئًا" میں تکیہ لگا کر (ٹیک لگا کر) نہیں کھاتا۔

◎

عَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ یَاْکُلُ بِثَلَاثِ اَصَابِعَ فَاِذَا فَرَغَ لَعِقَھَا۔ (رواہ مسلم)

حضرت کعبؓ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین انگلیوں سے کھاتے دیکھا ہے اور جب آپ کھا چکتے تو آپؐ اپنی انگلیاں چاٹ لیتے تھے۔

◎

کھاتے ہوئے اگر کسی سے لقمہ گر جائے اور وہ اس قابل ہو کہ اسے کھایا جا سکے تو ضرور اُسے کھا لینا چاہئے۔ ورنہ زمین سے اٹھا کر ایسی جگہ رکھ دینا چاہئے جہاں اس پر پاؤں نہ آئیں۔ آپؐ کا ارشاد ہے۔

"اِذَا سَقَطَتْ لُقْمَۃُ اَحَدِکُمْ فَلْیَاْخُذْھَا وَلْیُمِطْ عَنْھَا الْاَذٰی وَلْیَاْکُلْھَا وَلَا یَدَعْھَا لِلشَّیْطَانِ" (رواہ مسلم)

جب تم میں سے کسی سے کوئی لقمہ گر جائے تو اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھا لینا چاہئے۔ اور شیطان کے لئے اسے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک صحابیؓ جو غیر مسلموں میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے ان سے لقمہ گر گیا۔ انہوں نے اسے اٹھا کر کھانا چاہا تو دوسرے احباب نے کہا کہ یہ لوگ مذاق کریں گے۔ انہوں نے فرمایا۔ أَأَتْرُکُ "سُنَّۃَ حَبِیْبِیْ لِھٰذِہِ الْحُمَقَاءِ" کیا میں ان احمقوں کی خاطر اپنے حبیبؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت چھوڑ دوں"

◎

آدابِ طعام کا خیال رکھ کر کھانے سے اللہ تعالےٰ کھانے میں برکت ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ آپؐ کا فرمان ہے۔ طَعَامُ الْوَاحِدِ یَکْفِی الْاِثْنَیْنِ، وَطَعَامُ الْاِثْنَیْنِ یَکْفِی الْاَرْبَعَۃَ، وَطَعَامُ الْاَرْبَعَۃِ یَکْفِی الثَّمَانِیَۃَ (رواہ مسلم۔ عن جابر) — ایک آدمی کا کھانا دو کے لئے، دو کا چار کے لئے اور چار کا آٹھ کے لئے کافی ہے۔

◎

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ کَانَ یَتَنَفَّسُ فِی الشَّرَابِ ثَلَاثًا۔ (بخاری ومسلم) تین سانس میں پانی پیتے تھے" ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا — تم اونٹوں کی طرح ایک ہی سانس میں پانی نہ پیا کرو۔ جب پینے لگو تو بسم اللہ پڑھو اور جب برتن منہ سے ہٹاؤ تو "الحمد للہ" پڑھو۔

◎

جب مجلس میں کھانے کی کوئی چیز تقسیم کرنے لگو تو داہنی طرف سے شروع کرو۔ حدیث میں ہے حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ کی خدمت میں دودھ پیش کیا گیا۔ آپؐ کی داہنی طرف ایک اعرابی (بدو) تھا اور بائیں طرف ابوبکر صدیقؓ۔ آپ نے دودھ پیا۔ اور پھر اعرابی کو دے دیا اور فرمایا۔ اَلْاَیْمَنَ فَالْاَیْمَنَ۔

(بخاری ومسلم)

◎

مشکیزہ کے منہ اور لوٹے کی ٹونٹی سے پانی نہیں پینا چاہئے کیونکہ اس سے مقدار کا اندازہ نہ ہونے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ زیادہ پی جائے۔ پھر یہ نہیں دیکھا جا سکتا کہ اس میں کوئی مضر چیز تو نہیں۔

حدیث میں ہے۔ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّشْرَبَ مِنْ فِی السِّقَاءِ اَوِ الْقِرْبَۃِ۔ (بخاری ومسلم) آپؐ نے مشکیزہ کے منہ یا لوٹے وغیرہ کی قسم کے برتن سے پینے سے منع فرمایا ہے۔

◎

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے پینے والے برتن کے اندر سانس لینے سے روکا ہے اور اس سے بھی روکا ہے کہ اس میں پھونک ماری جائے۔ (ترمذی)

◎

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں نے آپؐ کو زمزم پلایا — "فَشَرِبَ وَھُوَ قَائِمٌ" آپؐ نے کھڑے ہونے کی حالت میں اُسے پیا۔ (بخاری ومسلم)

◎

جہاد جاری رکھیے

حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ العالی کا پیغام

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ہ اور اللہ کی راہ میں اُن سے لڑو جو تم سے لڑیں اور زیادتی نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالے زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

بزرگانِ محترم! ۶ ر ستمبر ۱۹۶۵ء کی صبح کو بھارتی سورماؤں نے نہایت کمینہ پن اور بزدلی کا مظاہرہ کیا اور پاکستان کی مقدس زمین پر اچانک حملہ کر دیا۔ اس طرح انہوں نے سرحدی دیہات کے بعض نہتے اور بے گناہ باشندوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا اور بزعمِ خویش اپنی بہادری اور فوجی برتری کا سکہ جمانا چاہا لیکن ہماری بہادر فوجوں نے اللہ کے بھروسہ پر اور اپنی قوتِ ایمانی کو کام میں لاتے ہوئے نہ صرف دشمنوں کے چھکے چھڑا دئیے بلکہ مختلف محاذوں پر ۱۶۱۷ مربع میل کا علاقہ بھی فتح کر لیا یقیناً یہ سب کچھ اللہ کی نصرت اور ہماری جانباز فوجوں کی بے پناہ قوتِ ایمانی سے ہوا اور دشمن کی چھ گُنا فوج جو فوجی ساز و سامان کی فراوانی سے بدمست تھی شکست سے دوچار ہوئی۔

ہمیں یہ خیال بھی دل میں نہ لانا چاہیئے کہ خطرہ ٹل گیا اور بات ختم ہو گئی ہے بلکہ ہمیں ہر وقت اور ہر لمحہ چاک و چوبند اور مستعد رہنا چاہئے اور دشمن کی چالوں پر پوری نظر رکھنی چاہئے۔ پاکستان کے ہر باشندے کے لئے لازم ہے کہ وہ سامراج سے نبٹنے کے لئے تیار رہے اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق بڑھ چڑھ کر جہاد میں حصہ لے۔

وَ اَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَ عَدُوَّکُمْ وَ اٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ ج لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ ج اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ہ اور ان سے لڑنے کے لئے جو کچھ (سپاہیانہ) قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے جمع کر رکھو سو تیار رکھو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے ہیبت پڑے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کروگے تمہیں (اس کا ثواب) پورا ملے گا۔ اور تم سے بے انصافی نہیں ہو گی۔

یاد رکھو! اس سلسلے میں تم جو کچھ خرچ کروگے وہ رائیگاں نہیں جائے گا اور اس کا بدلہ تمہیں دنیا میں بھی مل جائیگا اور آخرت میں بھی تم خسارے میں نہیں رہوگے۔

جہاد کی واضح اور حقیقی غرض و غایت قرآن عزیز نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمائی ہے:-

وَ قٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ۔ اور اُن (دشمنوں) سے یہاں تک لڑو کہ فتنہ و فساد باقی نہ رہے اور اللہ تعالے کا دین قائم ہو جائے۔

اس آیت مبارکہ میں یہ حکم عام کر دیا گیا ہے کہ تم فتنہ پرداز کافروں اور اسلام کے دشمنوں سے برابر جنگ کرتے رہو۔ حتّٰی کہ فتنہ و فساد سرے سے ختم ہو جائے اور کسی شخص میں اللہ کے قانون کی مخالفت دشمنی اور خلاف ورزی کی طاقت نہ رہے۔

ہمیں اپنی تمامتر مساعی اس فتنہ کو ختم کرنے میں صرف کرنی چاہئیں اور جہاد کو جاری رکھنا چاہیئے نیز جہاد کی راہ میں جو سختیاں بھی مسلمانوں کو برداشت

(باقی صفحہ … پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدام الدین لاہور

۹ رجب ۱۳۹۰ھ
۱۱ ستمبر ۱۹۷۰ء

جلد ۱۶
شمارہ ۱۷

فون نمبر ۶۷۵۴۵

مندرجات

دروس القرآن

از افادات شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ: محمد مقبول عالم بی اے، ناظم مکتبہ خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے راقم الحروف کو شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے دروسِ عام وخاص میں بیٹھنے اور نوٹس لینے کی توفیق نصیب ہوئی۔ یہ سلسلہ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۶۲ء تک جاری رہا۔ اس دوران میں کئی بار قرآن حکیم ختم ہوا۔ تمام نوٹس کئی ہزار صفحات میں راقم الحروف کے پاس محفوظ ہیں۔ اب ارادہ یہ ہے کہ انہیں مرتب کر کے خدام الدین کے ذریعے ہدیہ قارئین کیا جائے۔ اگر اللہ نے توفیق بخشی تو انہیں کتابی صورت میں بھی شائع کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ یہ محض دروس ہی ہیں کوئی مربوط تفسیر نہیں ہے۔ جسقدر راقم الحروف دروس قلمبند کر سکا، کبھی کم کبھی زیادہ، بس اسی قدر مرتب کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔ اگر علماء کرام ان میں کوئی غلطی پائیں تو اسے راقم الحروف کی کم فہمی پر محمول کیا جائے۔ حضرت شیخ التفسیرؒ کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔ (محمد مقبول عالم)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی: اَمَّا بَعْدُ:

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ، مَکِّیَّۃٌ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
(اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں) جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

درجۂ تفسیر

بسم اللہ کے متعلق ابتدائی باتیں

مفسرین حضرات کا اختلاف ہے کہ بسم اللہ جزو فاتحہ ہے یا نہیں۔ جو حضرات اسے جزو فاتحہ نہیں سمجھتے وہ صراط الذین انعمت علیهم کو علیحدہ آیت اور غیر المغضوب علیهم ولا الضالین کو علیحدہ آیت سمجھتے ہیں اور جو اسے جزو فاتحہ سمجھتے ہیں وہ اسے ایک ہی آیت شمار کرتے ہیں۔ لیکن تحقیق یہی ہے کہ یہ جزوِ سورت نہیں بلکہ فصلاً اور تبرّکاً یعنی ایک سورت کو دوسری سورت سے جدا کرنے اور برکت کے لئے لکھی گئی ہے۔ جب جبریل علیہ السلام نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غارِ حرا میں پہلا سبق پڑھایا تو بسم اللہ نہ پڑھائی بلکہ اقراء ہی سے شروع کیا۔ گویا سورۂ علق یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ ویسے بسم اللہ قرآن حکیم کی ایک مستقل آیت بھی ہے جو سورہ نمل نمبر ۲۷ آیت ۳۰ میں مذکور ہے۔

بسم اللہ ہر سورت کی ابتداء میں سوائے سورہ توبہ کے فصل کے لئے آتی ہے۔ سورہ علق ۹۶ کی پہلی پانچ آیات جو سب سے پہلے نازل ہوئیں ان میں سب سے پہلا حکم یہ ہوا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ (۹۶: ۱) اپنے رب کے نام سے پڑھیئے جس نے سب کو پیدا کیا بسم اللہ اسی کے جواب میں ہے کہ میں اللہ کے نام سے پڑھتا ہوں۔

قرآن حکیم پڑھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (۱۶: ۹۸) سو جب تو قرآن پڑھنے لگے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ لے۔ یعنی قرآن پڑھنے سے پہلے شیطان کے شر سے پناہ مانگ لیا کرو تاکہ اللہ کی باتوں میں شک نہ آنے پائے۔ اس لئے بسم اللہ سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بھی پڑھا جاتا ہے۔

فضائل بسم اللہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کُلُّ اَمْرٍ لَا یُبْدَءُ فِیْہِ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فَھُوَ اَجْذَمُ۔ یعنی ہر ایک کام جسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہوتا ہے۔ جب ہر کام کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم ہے تو قرآن حکیم کی ابتداء میں تو بطریق اولیٰ بسم اللہ پڑھنی چاہیئے۔ اللہ کے نام سے جو کام بھی شروع کیا جائے اس میں برکت آتی ہے اور اگر اللہ کے نام کے بغیر کیا جائے تو اس میں برکت نہیں آتی۔ اس لئے ہر کام کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھی جاتی ہے تاکہ اس میں برکت آئے۔

حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی میں سوار ہوتے تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اللہ کے نام سے سوار ہو جاؤ وَقَالَ ارْکَبُوْا فِیْھَا بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖھَا وَمُرْسٰھَا ط اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (۱۱: ۴۱) اور کہا اس میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہے بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ اگر نصف بسم اللہ پڑھنے سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی طوفان سے بچ گئے تو پوری بسم اللہ پڑھنے کی فضیلت تو بے شمار ہوگی۔ اصلاح خلق اللہ کے لئے سب سے پہلے پیغمبر نوح علیہ السلام ہی تھے اور مصائب سے بچنے کے لئے ان کا عمل بسم اللہ کا پڑھنا تھا۔ مصائب سے بچنے کے لئے بسم اللہ کا پڑھنا اکسیر ہے۔

بسم اللہ میں ۱۹ حروف تہجی ہیں اور دوزخ کے وہ فرشتے جو عذاب کے لئے مقرر ہیں ان کی تعداد بھی ۱۹ ہے۔ عَلَیْھَا تِسْعَۃَ عَشَرَ (۷۴: ۳۰) اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔ بسم اللہ کا عامل ان عذاب کے فرشتوں سے محفوظ رہے گا۔

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

مجاہد الحسینی

مولانا سیّد اسعد مدنی کے ساتھ چند روز

ایک سفرنامہ —— ایک تاریخی سرگزشت

(۱۵)

◎ مختلف بزرگوں سے تعلقات ◎ حضرت رائے پوریؒ کا مدفن
◎ ڈھڈیاں سے سرگودھا واپسی ◎ جہلم کو روانگی اور وہاں کی مصروفیات

◎

اپنے معاصر مشائخ کے ساتھ حضرت رائے پوریؒ کے تعلقات عجیب نوعیت کے تھے۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو معاصرین میں سب سے معمّر اور نامور تھے اور جن کا حلقۂ عقیدت و ارادت سب سے وسیع تھا ہمیشہ ان کی علمی عظمت، تصنیفی خدمات اور سلوک و ارشاد میں ان کی منفردانہ حیثیت کا کا اچھے الفاظ میں تذکرہ فرماتے۔ علی میاں کی روایت کے مطابق حضرت رائے پوریؒ نے ایک بار کسی ناموزوں بات کے جواب میں فرمایا کہ ”حضرت تھانویؒ میرے بھی شیخ ہیں“ اور فرمایا کہ ”وہ تو تصوّف کے مجدد تھے۔

اسی طرح تبلیغی جماعت کے داعی مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص، مقبولیت —— اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں ان کی جدید کوشش اور جد و جہد کے زبردست قائل تھے۔ اپنے مریدین اور خدام کو اہتمام کے ساتھ ان کی خدمت میں بھیجتے، اور خود بھی دہلی جانا ہوتا تو بستی نظام الدین کا پروگرام ضرور بناتے اور کئی کئی روز وہاں قیام کرتے۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے کئی روز پہلے بستی نظام الدین پہنچ گئے اور ان کی وفات کے بعد ہی وہاں سے واپس رائے پور آئے۔ خود حضرت مولانا محمد الیاسؒ بھی حضرت رائے پوریؒ کا بڑا احترام کرتے اور اپنے ملنے والوں کو ہمیشہ یہی تاکید فرماتے کہ اپنے شیخ حضرت رائے پوری کی خدمت میں باوضو رہا کرو!

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ لاہوری امیر انجمن خدام الدین لاہور جو اپنے شہرۂ آفاق درس قرآن، اصلاح عقاید اور ترویج اسلام کی مخلصانہ خدمات، مجاہدہ، ریاضت اور حق گوئی و بیباکی میں یگانۂ روزگار تھے، حضرت رائے پوریؒ ان کی للّہیت، اخلاص اور علوّ مرتبت کے زبردست قائل تھے۔ اور حضرت شیخ التفسیرؒ کا اپنا بھی یہی حال تھا کہ حضرت رائے پوریؒ کے ساتھ اپنے شیخ و مرشد کا سا سلوک کرتے، جن دنوں حضرت لاہور میں قیام فرما ہوتے حضرت لاہوریؒ بڑے اہتمام سے حاضرِ خدمت ہوتے۔ آپ اپنی تقریروں میں بھی حضرت رائے پوریؒ اور حضرت شیخ مدنی کی عظمت شان، ان کی مقبولیّت اور کمال باطنی کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔

حضرت رائے پوریؒ کے دیگر شیوخ اور اکابر کے ساتھ بھی گہرے تعلقات تھے جن میں سے مولانا عبدالشکور لکھنویؒ، مولانا محمد عبداللہ خانقاہ سراجیہ اور عصرِ حاضر کے اکابر میں سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، علامہ قاری محمد طیب صاحب، مولانا خان محمد صاحب خانقاہ سراجیہ کندیاں کے اسماءِ گرامی خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔

◎

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ کے محاسن و کمالات اور ان کے فیوض و برکات کا تفصیلی ذکر ان کی سوانح عمری میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے کیا ہے۔ یہاں چونکہ ڈھڈیاں اور حضرت رائپوریؒ کا مختصر تعارف کرانا میرا مقصود تھا اس لئے بعض ضروری باتیں اسی مناسبت سے ذکر کر دی گئی ہیں۔

سنہ ۱۹۶۳ء میں جب چند خدّام نے حضرت رائے پوری کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو پاکستان کے سفر پر آمادہ کیا تو آپ کی قلبی کیفیت کا تأثر اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ عبدالرحیم کی آخری آرامگاہ کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے۔ اور بار بار یہی فرماتے تھے بھائی! آخری رفاقت کا مرحلہ درپیش ہے مجھے اس سے کیوں محروم رکھتے ہو۔ جی چاہتا ہے کہ جس طرح زندگی میں ساتھ رہے مرنے کے بعد بھی اکٹھا رہیں۔ حضرت رائے پوریؒ کی ان قلبی کیفیات کا احساس کرتے ہوئے آپ کے جانشین خلیفۂ مجاز حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب گمتھلوی حال مقیم سرگودھا نے وعدہ فرمایا کہ حضرت! میں آپ کو انشاءاللہ ضرور واپس رائے پور لاؤں گا۔

حضرت رائے پوریؒ نے جب

پورا اطمینان کر لیا تو آپ نے پاکستان کا سفر اختیار فرمایا۔

لاہور تشریف لاتے ہی صحت مزید بگڑ گئی اور ۱۶ر اگست ۱۹۶۲ء بروز جمعرات ۱۱ بجے صبح کے قریب حاجی عبدالمتین صاحب کی کوٹھی واقع ایمپرس روڈ لاہور بالمقابل ریڈیو پاکستان زہد و تقویٰ اور طریقت و ارشاد کا آفتاب جہاں تاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حضرت رائے پوریؒ کے سانحۂ ارتحال کی خبر ریڈیو اور ٹیلیفون کے ذریعہ پورے ملک میں پھیل گئی۔ علماء و مشائخ آناً فاناً لاہور جمع ہونے لگے۔ آپ کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب اس روز کسی کام کے لئے سرگودھا گئے تھے اور ابھی لاہور واپس آنے کے لئے راستہ ہی میں تھے کہ انتقال کی خبر ملی۔

لاہور میں ان کی تشریف آوری سے قبل ہی مدفن کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ بعض لوگوں نے لاہور ہی میں حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ کے مزار کے پاس دفن کی تجویز پیش کی تاکہ مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ اور ہندوستان اور پاکستان کے مریدین کے لئے لاہور موزوں ترین جگہ اور صدر مقام کی حیثیت سے ہے بعض نے لائل پور اور حضرت کے عزیز و اقارب نے ڈھڈیاں کا فیصلہ کر لیا۔ مولانا عبدالعزیز صاحب کو جب اس کی اطلاع ملی کہ میت رائے پور لے جانے کی بجائے ڈھڈیاں لے جانے کے انتظامات مکمل کر لئے گئے ہیں۔ اور جنازہ کی لائل پور اور سرگودھا والوں کو بھی اطلاع دے دی گئی ہے تو آپ نے اس پر تعجب اور افسوس کا اظہار کیا۔ اور حضرت سے جو وعدہ کیا گیا تھا اسے پورا کرنے پر اصرار کیا لیکن وقت گذر چکا تھا اور میت کو دوسرے ملک منتقل کرنے کے انتظامات کا مرحلہ دشوار گذار دکھائی دے رہا تھا اور قدرت خداوندی کے سامنے انسان کیا کر سکتا ہے۔

الغرض راضی برضاء الٰہی ہو کر حضرت رائے پوری کے جنازے کو لاہور سے براستہ لائل پور، سرگودھا آپ کے آبائی وطن ڈھڈیاں لایا گیا ــــــ ان شہروں میں ہزاروں مریدوں، معتقدین نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ آخری جنازہ ڈھڈیاں میں مولوی مسعود علی خان آزاد نے پڑھایا۔ اور گاؤں کی مسجد کے قریب واقع جگہ کو جہاں کہ حضرت ذکر اذکار کی مجلسیں قائم فرمایا کرتے تھے، آپ کی آخری آرامگاہ کے لئے منتخب کر لیا گیا ــــ مولانا سیّد اسعد مدنی ڈھڈیاں میں واقع آپ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے یہاں آئے تھے۔

◎

۱۲ر مارچ کو ہی حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی اور آپ کے رفقاء سفر کا یہ قافلہ نمازِ عصر کے بعد مزار حضرت رائے پوریؒ پر فاتحہ خوانی کے بعد ڈھڈیاں سے واپس سرگودھا روانہ ہو گیا۔

نماز مغرب تک سرگودھا پہنچ گئے۔ شام کا کھانا سرگودھا کی مشہور دینی شخصیت اور علماءِ دیوبند کے مخلص خادم جناب حاجی فرزند علی صاحب کے ہاں تھا۔ اس لئے جامع مسجد کلاں میں نماز ادا کرنے کے بعد تمام حضرات حاجی صاحب کے مکان پر پہنچ گئے۔ حاجی فرزند علی صاحب نے مولانا سیّد اسعد مدنی کے اعزاز میں دیے گئے عشائیہ میں سرگودھا کے تمام جلیل القدر علماء کرام، دینی جماعتوں کے سربراہوں، کارکنوں اور ممتاز شخصیات کو بھی مدعو کر رکھا تھا۔ اس لئے یہ تعارفی محفل لذتِ کام و دہن کے لحاظ سے ہی نہیں روحانی کیفیت و واردات کے اعتبار سے بھی کیف آور اور اثر انگیز تھی۔

کھانے سے فراغت پاتے ہی سرگودھا سے چناب ایکسپریس کے ذریعہ جہلم جانے کا پروگرام مرتب ہو چکا تھا اور حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی کی تشریف آوری کی راستہ میں واقع مختلف شہروں کے علماء اور حضرت شیخ مدنی کے مریدوں اور عقیدت مندوں کو اطلاع دی جا چکی تھی۔ اس لئے پروگرام کے مطابق سرگودھا ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ وہاں الوداع کہنے کے لئے شہر کے تمام جلیل القدر علماء، ممتاز سیاسی اور قومی رہنما اور کارکن موجود تھے گاڑی چونکہ آدھ گھنٹہ لیٹ تھی اس لئے مولانا مدنی کے ملاقاتیوں اور آپ کی زیارت سے مشرف ہونے والوں کا ہجوم بڑھتا گیا۔

چناب ایکسپریس پلیٹ فارم پر آئی اور مولانا مدنی گاڑی میں سوار ہونے لگے تو پلیٹ فارم "اسلام زندہ باد" مولانا مدنی زندہ باد اور پاکستان زندہ باد" کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھا۔

◎

گاڑی جہلم کے لئے روانہ ہوئی مولانا مدنی کی سیٹ چونکہ پہلے سے ریزرو تھی۔ اس لئے راقم الحروف، مولانا محمد عثمان، مولانا ضیاء القاسمی اور حکیم عبدالرزاق کابلی دوسرے ڈبہ میں سوار ہو گئے۔ اس ڈبہ میں اتفاقاً سردار عالم خاں لغاری کے فرزند بھی پشاور کا سفر کر رہے تھے۔ انہوں نے سفر کی سہولت بہم پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ راستہ میں جس اسٹیشن پر سے بھی گاڑی کا گذر ہوتا حضرت مدنی کی زیارت اور آپ کے چہرہ مبارک پر ایک نگاہ ڈالنے کے لئے بے پناہ ہجوم ہوتا۔

نصف شب کو گاڑی جب بھلوال پہنچی تو وہاں کی جمعیۃ علماء اسلام، مجلس احرار اسلام، مجلس تحفظ ختم نبوت کے کارکنوں، مدارس عربیہ کے مدرسین اور دیگر علماء کرام کی کثیر تعداد وہاں موجود تھی۔ گاڑی پلیٹ فارم پر رُکی۔ تو میرے ہموطن اور جماعتی رفیق برادرم شیخ منظور احمد صاحب اچانک سامنے آ گئے۔ وہ اور ان کے رفقاء مولانا مدنی کا ڈبہ تلاش کر کے آپ کی زیارت کے لئے بے تاب تھے۔

مولانا سید اسعد مدنی اس وقت آرام فرما رہے تھے۔ میں نے ملاقاتیوں سے کہا کہ حضرت آرام فرما ہیں۔ اسی حالت میں آپ کی زیارت کر لی جائے تو بہتر ہے۔ ان ساتھیوں کو لے کر کمرہ میں داخل ہوا تو آپ کی آنکھ کھل گئی۔ میں نے معذرت کی۔ حضرت نے فرمایا "آرام تو ہوتا رہے گا۔"

(باقی ص ۱۵ پر)

مجلسِ ذکر

قرآن دستورِ حیات ہے

از حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم ——— مرتبہ: محمد عثمان غنی

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی : اَمَّا بَعدُ :-
فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ ط بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ :-

اِنَّآ اَعطَینٰکَ الکَوثَرَ ط فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانحَر ہ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الاَبتَرُ ہ (پ۳۰ ـ سورت الکوثر)

ترجمہ: بے شک ہم نے آپؐ کو کوثر دی ـ پس اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے ـ بیشک آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہے ـ

اس مجلس میں اصل غرض و غایت اصلاحِ نفس ہے ـ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالےٰ کی اس دنیا میں بیحد عنایات ہیں، جب تک کہ یہ دنیا آباد ہے اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سب سے بڑا زندہ و تابندہ معجزہ قرآن حکیم، حبل اللہ المتین ہے ـ انسانوں کی ہدایت کا آخری نوشتہ، دستورِ حیات اُس ذات حیّ و قیّوم کا نازل فرمودہ ہے ـ جس کے قبضۂ قدرت میں ساری کائنات کا نظام ہے ـ یہ آسمانی ہدایات کا مجموعہ اور الہامی صحیفہ قیامت تک باقی رہے گا اور باقی ہر چیز فانی ہے ـ

اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اس جہان کو نیست سے ہست میں لانے کا اصل باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے ـ اس انعامِ خاص پر ہم جس قدر اللہ تعالےٰ کا شکر بجا لائیں کم ہے ـ

چھوٹی سی سورت جو تلاوت کی گئی ہے وہ سارے قرآن کی تعلیمات پر حاوی ہے بلکہ تمام سابقہ تعلیمات پر بھی حاوی ہے ـ اِنَّآ اَعطَینٰکَ الکَوثَرَ ہ ہم نے آپؐ کو کوثر عطا کی ـ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانحَر ہ پس اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی دیجئے دنبی سے لے کر ادنیٰ مسلمان تک جب تک وہ موت کے منہ میں نہ چلا جائے نماز فرض ہے) اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الاَبتَرُ ہ آپؐ کا دشمن ذلیل و خوار ہو گا، ابتر ہو گا ـ

پاکستان کو بنے ہوئے تئیس سال گذر چکے ہیں اور ادھر یہ ہے کہ چودہ سو سال ہو گئے ہیں اسلام کو آئے ہوئے اور یہ وہ زمین ہے جس میں ہم مٹھی بھر آئے تھے اور آج کروڑوں کی تعداد میں ہیں ـ الحمد للہ مسلمان کہلانے والی مخلوق یہاں بستی ہے ـ اب اللہ کی قدرت دیکھئے کہ صدیوں مسلمان حکمران رہے اور پھر اپنی کمزوریوں، کوتاہیوں، خدا کی نافرمانیوں کی وجہ سے تعذیب اور سزا کے مستوجب ہوئے ـ اللہ تعالےٰ نے ہمیں پھر اگست ۱۹۴۷ء میں نعمتِ آزادی و خود مختاری سے نوازا لیکن ۲۳ سال گذر گئے اور ہماری کوتاہیاں، ناسپاسیاں، حق ناشناسیاں جوں کی توں ہیں ـ ہم نے اللہ تعالےٰ کی عنایت کو اپنے لئے پایا بھی، قبول بھی کیا، مانا بھی، مانگا بھی، خدا نے دیا بھی لیکن ع

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

میں کہنا یہ چاہتا ہوں جو بدلنا چاہیئے تھا وہ نہیں بدلا ـ حکمران بدل گئے، گورے گئے کالے آ گئے ـ دستور و قانون بدلنا چاہیئے تھا ـ وہ تو ایمانداری کی بات ہے اب تک نہیں بدلا، نہ تعزیراتِ ہند بدلیں، نہ دیوانی اور فوجداری قانون بدلا ـ اب تک چور کی سزا اسلامی حدود کے مطابق نہیں ہے ـ اب تک زانی پہ اسلامی سزا کا اطلاق نہیں ہے ـ اب تک لوگوں کو ایذا دینے والوں پہ اسلامی احکام کا نفاذ قطعاً نہیں ہے ـ نہ اسلامی قانون پڑھایا جاتا ہے لاء کالجوں میں، نہ عدالتوں میں اس پر عمل ہوتا ہے ـ حقیقت تو یہ ہے کہ آج تک ہمارا کوئی دستور اور قانون مرتّب ہی نہیں ہوا ـ ایک دستور بنا، دوسری حکومت آئی، پہلا دستور معطّل، پھر نئی اسمبلی، پھر نیا دستور ـ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے ؎

بیکار مباش کچھ کیا کر
کپڑے ادھیڑ کر سیا کر

قانون اور دستور بناؤ، پھر مارشل لا لگا دو، پھر نیا دستور بناؤ ـ قوموں کی زندگی میں اس سے بڑھ کر کوئی بدعملی، بدکرداری کی مثال مل سکتی ہے؟ ہم وہ قوم ہیں، ہم وہ امت ہیں کہ لکھا لکھایا نوشتہ، خدا کا مرتّب کردہ دستور، اَلکِتٰبُ ہمارے پاس ہے لَا رَیبَ فِیہِ ـ یہ وہ دستور ہے جس کے ایک ایک لفظ کے انکار سے مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا ـ وہ مرتد، بے ایمان اور واجب القتل ہو جاتا ہے ـ مسلمان پر اب صرف عمل ہی فرض ہے ـ دستور موجود ہے ـ اس کی خاطر مسلمان کے لئے اپنا تن من دھن جان، مال، اولاد سب کچھ قربان کر دینا، یہ ایک معمولی سی بات ہے ـ کتنے دُکھ کی بات ہے کہ اللہ نے کتنا بڑا انعام عطا فرمایا ـ کتنی بڑی رحمت سے اللہ نے اپنی کتاب عظیم، کتاب ہدایت بھیجی اور امت نے اُس کی قدر نہ پہچانی ـ اگر یہ کتاب کسی اور قوم کو عطا ہوتی تو وہ ساری زندگی ہمہ تن سرنگوں رہتی، وہ رکوع اور سجدوں میں ساری زندگی گذارتی، حمد و ثناء ہی میں سارا وقت گذارتی لیکن بڑے دُکھ سے یہ جملے کہہ رہا ہوں کہ مسلمان نے اتنی عظیم نعمت کو نہ پہچانا اور آج نتیجہ ظاہر ہے ـ

ہم پر، آپ پر، ہماری پوری قوم پہ پھر ذمہ داری آن پڑی ہے ـ انتخابات ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے ـ یہ اسلامی تو ہیں نہیں ـ اسلام میں کبھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا خلفاءِ راشدین نے انتخابات کا طریقہ رائج نہیں کیا ـ اب یورپ اور ایشیا کے اندر ڈیموکریسی اور جمہوریت کا طریقہ رائج ہے کہ خون خرابے کے بجائے ووٹوں سے حکومتیں بدل جاتی ہیں ـ اللہ تعالےٰ نے

(باقی ص ۱۱ پر)

بحث و مذاکرہ — تیسری قسط

ملکیتِ زمین اسلام کی نظر میں

کیا ملکیتِ زمین کی حد بندی جائز ہے؟

مولانا مفتی عبداللطیف قاسم العلوم فقیر والی

ابن عمرؓ کے فعل سے استدلال کا جواب

مسلم و بخاری کی مذکورہ بالا روایت نقل کرنے کے بعد مقالہ نویس لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی بناء پر حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے امیر معاویہؓ کے دور میں جبکہ سرمایہ داری پورے طور پر مسلمانوں میں رواج پا چکی تھی۔ زمین کی بٹائی وصول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

عرض یہ ہے کہ اولاً تو مسلم شریف صفحہ ۱۳ ج ۲ کی روایات دیکھ لینی چاہیئے تھیں۔ ان میں سے ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ ان ابن عمرؓ کان یکری مزارعه علی عهد النبی صلی اللہ علیه وسلم وفی امارة ابی بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و صدراً من خلافة معاویةؓ حتّٰی بلغه فی اٰخر خلافة معاویة ان رافع بن خدیج یحدث فیها بنهی النبی صلی اللہ علیه وسلم فترکها ابن عمرؓ۔

یعنی عبداللہ بن عمرؓ حضور علیہ السلام اور خلفاء ثلثہ کے مقدس ادوار میں بٹائی پر زمین دیا کرتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے ابتدائے دورِ خلافت تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ اخیر زمانہ خلافت امیر معاویہؓ میں رافع بن خدیج کی نہی والی حدیث ان کو بتلائی گئی تو وہ رُک گئے۔ اگر بٹائی پر زمین دینا ناجائز ہوتا تو حضور علیہ السلام اور خلفاء راشدین کے طویل زمانہ میں ان کو کیوں نہ روکا گیا۔ باقی رہا رافع بن خدیج کی حدیث کی وجہ سے رک جانا تو وہ صحت و جواز مزارعت پر عقیدہ رکھتے ہوئے محض اختیارِ تقوٰے اور سلامتی بر کنار است کی بنیاد پر ہے۔ کیونکہ جیسے پہلے عرض کیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی عظمتِ شان کی وجہ سے حضور علیہ السلام نے تنزیہاً اور استحباباً بلا معاوضہ زمین دینے کا ارشاد فرمایا ہے۔ ورنہ اجلہ صحابہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود کیوں مزارعت پر دیتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ ان صحابہ کرامؓ کو نہی والی حدیث نہ پہنچی ہو تو اس کے نہ پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ کہ بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جو زیادہ اہمیت کے حامل نہیں ہوتے اور کبھی کبھار پیش آتے ہیں۔ ایسے مسائل میں تو یہ عذر مسموع ہو سکتا ہے کہ شاید روایت نہ پہنچی ہو۔

لیکن وہ مسائل جو بڑی اہمیت کے حامل اور ہر وقت پیش آنے والے ہوں تو ان میں عذر مسموع نہیں ہو سکتا۔ دوسرا یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بٹائی پر زمین دینے سے رُک جانے کو صاحب مقالہ نے حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ سرمایہ داری سے خواہ مخواہ وابستہ کر دیا ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مزارعت سے رُک جانے کو سرمایہ داری کا اثر و نتیجہ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں اگر حضرت عبداللہ بن عمرؓ پہلے مزارعت پر زمین نہ دیتے رہے ہوں۔ لیکن اس دورِ سرمایہ داری میں دینے لگ گئے ہوں تو پھر البتہ یہ کہنا قابلِ سماع ہو سکتا تھا کہ ابن عمرؓ نے اس دورِ سرمایہ داری سے مرعوب و متاثر ہو کر یہ کام شروع کر دیا تھا۔ حالانکہ معاملہ یہاں بالکل برعکس ہے یعنی پہلے مزارعت پر دیتے تھے پھر آخر دورِ امیر معاویہؓ میں رُک گئے۔

بات صرف اتنی تھی کہ جب حضرت ابن عمرؓ کو حضرت رافع بن خدیج کی حدیث پہنچی تو جواز کا عقیدہ رکھتے ہوئے کمالِ ورع کی وجہ سے آئندہ کے لئے اس سے رُک گئے۔ اس میں امیر معاویہؓ کے دور کی سرمایہ داری کا کیا دخل ہے۔ کما صرح به فی بعض الکتب۔

تیسرا یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مزارعت پر زمین دینے سے رک جانے سے صاحب مقالہ کے اس اصول کو کہ زائد از قدرِ کاشت کوئی شخص زمین نہیں رکھ سکتا کیا فائدہ پہنچا۔ ان کے اس اصول کو فائدہ تو تب پہنچتا کہ وہ ثابت کرتے کہ ابن عمرؓ نے زائد زمین لوگوں میں مفت تقسیم کر دی تھی۔ دونہ خرطہ قتاد۔

امام ابو یوسفؒ پر تنقید کا جواب

محترم مقالہ نویس نے لکھا ہے کہ "امام ابو یوسفؒ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مزارعت کے (جواز) کے قائل ہیں۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ وہ ہارون الرشید کے قاضی القضاۃ تھے۔ جس کے زمانہ میں ملوکیت انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ ان حالات میں امام ابو یوسفؒ کے لئے مزارعت کے خلاف رائے قائم کرنا ممکن نہ تھا۔"

اس پر عرض ہے کہ (۱) جناب نے اپنے دور کے ان اہلکاران و عمالان حکومت پر جو چڑھتے سورج کے پجاری ہیں ضمیر فروشی میں اس حد تک آگے بڑھے ہوئے ہیں کہ اپنا کوئی ضمیر ہی نہیں رکھتے جو اپنے عہدے پر ایمان و ایمانیات کو بھینٹ چڑھانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ نظریات کا تحفظ ان کے ہاں دنیا نوسیت کے سوا کوئی چیز نہیں ان پاکبازوں کو قیاس فرما رہے ہیں۔ جن کے نزدیک کسی معمولی نظریے کے خلاف کرنا تو ایک طرف رہا مداہنت کرنا بھی جرم عظیم ہے۔

امام ابو یوسفؒ پر تنقید کرنے سے پہلے آپ کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کر لیا ہوتا تو شاید یہ جرأت

نہ کرتے کیونکہ امام ابو یوسفؒ ایک حق گو اور جری انسان تھے۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید اور ایک یہودی کا مقدمہ آپ کے پاس آیا۔ یہودی خلیفہ سے ذرا پیچھے ہٹ کر آپ کے سامنے بیٹھا۔ آپ نے اس کو فرمایا کہ خلیفہ کے برابر بیٹھ۔ عدالت میں کسی کو تقدم نہیں یہاں شاہ و گدا برابر ہیں (عدالتی فیصلے)

حضرت امام ابو یوسفؒ نے ایک دفعہ اسی ہارون الرشید کو خط لکھا جو کتاب الخراج میں منقول ہے کہ "اے امیرالمومنین! اگر تو اپنی رعایا کے انصاف کے لئے مہینہ میں ایک بار بھی دربار کرتا۔ اور مظلوموں کی فریاد سنتا تو میں امید کرتا ہوں۔ کہ تیرا شمار اُن لوگوں میں نہ ہوتا جو رعیت سے پردہ کرتے ہیں۔ اگر تو دو ایک دربار بھی کرتا تو یہ خبر تمام اطرافِ عالم میں پھیل جاتی اور ظالم اپنے ظلم سے باز آ جاتے بلکہ اگر عمال اور صوبہ داروں کو یہ خبر پہنچے کہ تو برس میں ایک دفعہ انصاف کے لئے بیٹھتا ہے تو ظالموں کو کبھی ظلم پر جرأت نہ ہونے پائے"۔ یعنی اس وقت جو مظالم ہو رہے ہیں یہ سب تیری سہل انگاری کا نتیجہ ہیں۔

ان دو واقعات سے اندازہ فرمائیں۔ کہ ایسا جری انسان حکومتِ وقت کے رواج سے مرعوب ہو کر غلط نظریات کو اپنا سکتا ہے۔

آج اس گئے گذرے دور میں بھی آپ اپنے ملک کی عدلیہ کو بار بار دیکھا ہے کہ اس نے دلائل کی قوت پر فیصلے دیئے ہیں۔ خواہ حکومت کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں کئی فیصلے ہماری عدلیہ نے حکومتِ وقت کے خلاف دیئے ہیں۔ پھر اسی دور کے علماءِ حق کو بھی آپ نے دیکھا ہوگا کہ کسی بھی جابر حکومت سے دبے نہیں۔ جب بھی کوئی بات خلافِ شریعت ہوئی اس پر برملا کڑی تنقید اور سخت نکتہ چینی کی۔

تو ایک امام وقت کے متعلق یہ کہنا کہ ملوکیت سے مرعوب ہو کر انہوں نے غلط نظریات کو اپنا لیا تھا سورج کو منہ چڑانا ہے۔

۲۔ جناب نے مزارعت کے جواز کے قائل صرف امام ابو یوسفؒ کو بتلایا ہے۔ حالانکہ پٹے پر زمین دینے کے جواز کے ابو حنیفہؒ سمیت چاروں امام قائل ہیں۔ البتہ بٹائی پر زمین دینے کے جواز میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ، امام محمدؒ، ابو شریح ابن خزیمہ خطابی وغیرہ اور امام شافعیؒ تبعاً للمساقات جواز کے قائل ہیں۔ مطلقاً منع کے صرف امام ابو حنیفہؒ ہی قائل ہیں۔ غالباً جناب کو کثرتِ مشاغل سرکار اور ہجوم ذمہ داریوں کی وجہ سے تتبع مذاہب کی فرصت نہیں مل سکی ہوگی اور یا امام ابو یوسفؒ کا نام صرف اس واسطے ذکر کیا ہے کہ ان پر یہ طعن کر کے جان چھڑائی جا سکتی تھی اور دوسرے آئمہ کرام پر یہ انگشت نمائی ممکن نہ تھی اس واسطے ان کو گول کر گئے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نظریہ استدلال کا جواب

جناب کا دعویٰ تو یہ ہے کہ زمین کو بٹائی اور پٹے پر بھی دینا جائز نہیں (اور زائد از قدر کاشت کے عدم جواز کے لئے یہ دعوےٰ ضروری ہے ورنہ اگر پٹہ پر دینی جائز ہو تو پھر زائد از قدر کاشت زمین رکھنے کی اجازت ثابت ہوگی) اور دلیل میں امام ابو حنیفہؒ کے اس نظریہ کو پیش فرما رہے ہیں کہ ان کے نزدیک بٹائی پر زمین دینی جائز نہیں۔ یہ دلیل جناب کے دعوےٰ کے مطابق نہیں کیونکہ امام صاحب کے نزدیک پٹے پر زمین دینی جائز ہے۔ اور یہ جناب کے دعوےٰ کے بالکل خلاف ہے۔

۲۔ امام ابو حنیفہؒ بے شک مزارعت کے عدم جواز کے قائل تھے ــــ لیکن عدم جواز کے قائل اس واسطے نہ تھے کہ زائد از قدر کاشت زمین رکھنی جائز نہیں ورنہ پٹے پر زمین دینے کے جواز کا قول نہ کرتے بلکہ اس اصول کی وجہ سے کہ معاوضہ مجہول پر مزدوری جائز نہیں) تو امام صاحب کے اس نظریہ سے جناب کو کیا فائدہ پہنچا۔ یہ تو بالکل ایسے ہو گیا جیسے آپ دعوےٰ کریں کہ آنکھ بند کر دینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر دلیل یہ پیش کریں کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ کسی چیز کے ساتھ تکیہ لگا کر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، تو کیا آپ کا یہ استدلال صحیح ہے جبکہ تکیہ لگا کر سونے کی وجہ سے وضو ٹوٹ جانے کا سبب آنکھ بند کرنا نہیں بلکہ (استرخاء مفاصل) اعضاء کا ڈھیلا ہونا ہے۔

۳۔ حسب صراحت امام نووی شافعیہ کا مختار جواز مزارعت ہے۔ اس طرح ابو حنیفہ کے نزدیک بھی مفتیٰ بہ قول صاحبین کا ہے۔ یعنی جواز مزارعت اور امام احمد بن حنبل تو جواز کے قائل تھے ہی نتیجہ یہ نکلا کہ اس وقت تقریباً اجماع ہے جواز مزارعت پر۔ آپ نے امام ابو حنیفہؒ کے قول مرجوح کو راجح اور دیگر تمام آئمہ کے قول راجح کو مرجوح قرار دے کر مطلب برآری کی کوشش کی ہے۔

امام ابن تیمیہ کے قول سے استدلال کا جواب

آں محترم نے علامہ ابن تیمیہ کے قول سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ "چھٹی صدی کے مشہور مفکر ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے کہ آج ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ سب سے تباہ حال، پسماندہ اور مظلوم طبقہ کسان کا ہے"۔

علامہ ابن تیمیہ کے اس کلام سے آپ کو کیا فائدہ پہنچا۔ ان کے یہ لکھنے سے کہ کسان اس وقت بہت مظلوم، پسماندہ اور تباہ حال ہے۔ یہ کیسے ہو گیا کہ زائد از قدرِ کاشت زمین رکھنا جائز نہیں اور پھر اس کلام میں یہ کہاں کہا گیا ہے کہ بٹائی پر زمین دینے کی وجہ سے یہ طبقہ مظلوم و پسماندہ ہو گیا ہے۔

آپ خود خیال فرمائیں کہ ایک شخص کوئی دستکاری نہیں جانتا، نہ ہی تجارت کے لئے سرمایہ ہے، سوائے کاشت کے کچھ نہیں کر سکتا اور اس کے پاس زمین ہے نہیں تو کیا ایسے شخص کو بٹائی پر زمین دینا اس کو تباہ حالی سے بچانا ہے یا تباہ کرنا ہے۔

مضاربت کے جواز کی وجہ یہی ہے

کہ ایک شخص سرمایہ تو رکھتا ہے لیکن تجارتی سوجھ بوجھ نہیں رکھتا۔ اور دوسرا تجارتی تجربہ تو رکھتا ہے لیکن سرمایہ نہیں۔

اسی طرح مزارعت میں ایک شخص زمین تو رکھتا ہے لیکن کسی وجہ سے کاشت نہیں کر سکتا اور دوسرا شخص کاشت تو کر سکتا ہے لیکن زمین نہیں رکھتا تو دونوں کی ضرورت مزارعت و مضاربت کے جواز سے پوری ہوگئی۔

اگر کوئی صاحب زمین زمین کو بٹائی پر دے کہ مزارع پر ظلم کرتا ہے تو مالک زمین کا یہ فعل نہایت بُرا اور قابل نفرت و ملامت ہے۔ لیکن اس سے نفس مزارعت کے عدم جواز کی دلیل کیسے قائم کی جا سکتی ہے۔ اگر کوئی کاشتکار اپنے بیلوں پہ ظلم کرتا ہے، ان کی طاقت سے زیادہ کام لیتا ہے تو اس کا یہ فعل بُرا اور قابل طعن و ملامت ہے لیکن کیا اس کی وجہ سے کاشت کے عدم جواز پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے قول سے استدلال کا جواب

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی جو عبارت جناب نے پیش کی ہے وہ بھی آپ کے مقصود کے خلاف پر دلالت کرتی ہے۔

آپ کی عبارت کے الفاظ یہ ہیں کہ "اس لئے یہ اصول وضع کیا گیا کہ جو کوئی کسی قطعۂ اراضی پر قابض ہے۔ اسے بے دخل نہ کیا جائے۔۔الخ خط کشیدہ عبارت کا بغور مطالعہ کریں اس پر مزید کچھ عرض کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ سے استدلال کا جواب

اس کے بعد صاحب مقالہ نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کے فتاویٰ عزیزی کا حوالہ پیش فرمایا ہے کہ آپ زمیندارہ سسٹم کے خلاف تھے۔

گذارش ہے کہ یہ فتاویٰ عزیزی میرے سامنے ہے۔ زمین کا یہ مسئلہ اس کے صفحہ ۴۳-۴۴ پر منقول ہے آپ کھول کر مطالعہ فرمائیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کیا فرما رہے ہیں۔ وہ تو اقطاع (اعطاء جاگیر) کی مختلف صورتوں سے بحث فرما رہے ہیں کہ کس صورت میں وہ شخص جس کو حاکم وقت نے زمین بطورِ جاگیر عطا کی ہے بیع و شراء اور دیگر تصرفات مالکانہ کر سکتا ہے اور کس صورت میں نہیں کر سکتا۔

ہندوستان (متحدہ) کی زمینوں کے متعلق آپ اپنی رائے ظاہر فرماتے ہیں کہ:

"پس زمینے کہ مملوکِ بیت المال است در ملک موجود نیست... الخ یعنی موجودہ صورت میں کہ ہر شخص دعویٰ مالکیت کرتا ہے کوئی زمین مملوکہ بیت المال نہیں ہے... الخ"

اپنی اس رائے کے بعد حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ کی رائے نقل فرماتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ابتداءِ فتح کے وقت ہندوستان کی زمینوں کا حکم عراق کی زمینوں کی طرح ہے کہ موقوف بر بیت المال ہیں ــــــ کچھ کلام کے بعد شیخ جلال نے فرمایا کہ:

"پس ہر قطعہ کہ بادشاہ وقت بطریق تابید حقیقی یا حکمی کسے بخشد ملک او شد الخ یعنی یہ بات تو تھی ابتداءِ فتح کی اس کے بعد اگر کسی بادشاہ نے کسی کو مستقل طور پر وہ زمین (مفت یا قیمتاً) دے دی ہو تو اس کو مالکانہ حقوق حاصل ہوں گے وہ ہر قسم کے تصرفات کا مالک و مجاز ہوگا۔

ہاں اگر صرف انتفاع کے لئے دی ہو تو اس وقت وہ شخص مالکانہ تصرفات کا مجاز نہیں ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف ایک من گھڑت بات کو منسوب کرنا مقالہ نویس کی شان کے مناسب نہیں۔

(نوٹ) جاگیروں کی مختلف قسمیں ہیں جن کے الگ الگ احکام ہیں۔ یہ محل ان کے ذکر کا نہیں۔

وراثت میں شامل ہونے کے لئے خود کاشت کی شرط

آں محترم نے لکھا ہے کہ "یہ زمین وراثت میں منتقل ہو سکے گی۔ لیکن اس شرط پر کہ وارث اس کو خود کاشت کرے"۔

محترما! یہ شرط آپ نے کہاں سے درآمد کی ہے کیا احکام القرآن کو آپ اپنی مجوزہ شرائط کے ساتھ مقید و مشروط کرنے کے مجاز ہیں جبکہ یہ حق حدیث (خبر واحد) تک کو نہیں دیا گیا۔

جناب نے یہ شرط لگاتے وقت یہ خیال نہ فرمایا کہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے، بوڑھے، کمزور اور بیمار لوگ جو کاشت کرنے کے قابل نہیں آپ کی اس شرط کی وجہ سے محروم اور ہٹے کٹے، تندرست و توانا لوگ مالک ہو جائیں گے۔

باپ مر جاتا ہے، چھوٹے چھوٹے معصوم بچے رہ جاتے ہیں یا بیٹا مر جاتا ہے اور کمزور و ناتوان و ضعیف العمر باپ زندہ رہ جاتا ہے اور ان کا ذریعۂ معاش سوائے اس مورث کی زمین کے کچھ بھی نہیں۔ تو آپ اپنی اس شرط کی وجہ سے ان سے زمین چھین لیں گے اور ان کو بے دست و پا کر کے بھیک مانگنے یا دوسرے نامناسب طریقے اختیار کرنے پر مجبور کر دیں گے یا آپ کی ذہانت کو آپ کی اخروی نجات کے لئے ذخیرہ کر کے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں گے۔

جب انسان اللہ و رسولؐ کے احکام میں دخل اندازی کرتا ہے تو ایسی ہی ٹھوکریں کھایا کرتا ہے۔ فاضل مقالہ نویس کا یہ مقالہ ان کے ذہنی انتشار کا مظہر ہے۔

کیونکہ کبھی تو دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن زمین پر شخصی ملکیت تسلیم نہیں کرتا۔ جس کا مقتضا یہ ہے کہ کوئی شخص بھی کسی قطعہ الارضی کا مالک نہیں ہو سکتا خواہ کاشتکار ہو یا غیر کاشتکار۔ اور کبھی دعوے کرتے ہیں کہ ایک شخص صرف اتنی ہی زمین کا مالک ہو سکتا ہے جتنی وہ خود کاشت کرے" جس کا تقاضا یہ ہے کہ کاشت کار قدرِ کاشت کا مالک ہوگا اور وراثت میں منتقل ہو سکتا (جس کا مقالہ نویس بھی قائل ہے)

(باقی ص۱۷ پر)

حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رض

اور کتابت و اشاعت قرآن

مولانا سید احمد شاہ بخاری رح

اسلامی دنیا ذوالنورین کے لاثانی لقب سے پکارتی ہے اور اہل دل حضرات امام مظلوم سے آپ کی ذاتِ مقدس مراد لیتے ہیں اور تاریخ میں آپ صابر اعظم کے نام سے مشہور ہیں۔ ماہِ مقدس ذوالحجہ کی اٹھارہ تاریخ کو حسب ارشاد رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جناب نے جام شہادت نوش فرمایا ؎

بلوح تربت من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

کسی کی وفات کے موقعہ پر اس کی خوبیوں کا شمار کرنا اولاد آدم میں دستورِ قدیم ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خوبیوں اور صفتوں کا شمار کرنا اگرچہ میرے جیسے کم علم کے بس کی بات نہیں مگر پھر بھی اس موقع پر خاموشی اچھی نہیں اس لیے قارئین کی خدمت میں گذارش ہے کہ خداوند تبارک و تعالےٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو قرآن عظیم کی خدمت کے لیے چن لیا تھا۔ آپ نے قرآن عظیم کی وہ خدمت کی جو رہتی دنیا تک جناب کی یادگار کی حیثیت سے مذکور ہوتی رہے گی آپ سے پہلے سارا قرآن ایک جگہ پر لکھا ہوا نہ تھا۔ بلکہ چند آیات کسی صحابی کے پاس لکھی تھیں تو چند سورتیں دوسرے کے یہاں مرقوم تھیں جو لوگ صحابہ کرام میں سارے قرآن کے حافظ تھے اور جنہیں قرآء کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ ان کے پاس بھی تمام قرآن یکجا لکھا ہوا نہ تھا اور جن بزرگوں کے پاس جس قدر لکھا ہوا تھا اس کے ساتھ ساتھ تفسیری نوٹ بھی درج تھے۔ جب غزوات میں حفاظ کلام الہی بکثرت شہید ہونے لگے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دل میں قرآن عظیم کو ایک جگہ لکھوانے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ نے تمام قرآن اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے لے کر مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ تک ایک ہی جگہ اکٹھا لکھوا دیا اور پھر اس سے سات نسخے نقل کرا کے تمام اسلامی ممالک میں روانہ کر دیئے اور ایک ملک میں ہر ایک نسخے کے ساتھ معلم قرآن مقرر کر کے بھیج دیا۔

پس آپ نے قرآن عظیم کو ایک جگہ جمع کر کے اور اس کا طریق کتابت متعین کیا جو قیامت تک حفاظتِ قرآن کے لیے کافی ہے۔ آج دنیا میں جو شخص بھی قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ اس کی تفسیر لکھتا یا اس کا ترجمہ چھاپتا ہے یا لوگوں کو علوم قرآن کی تبلیغ کرتا ہے۔ جس قدر ثواب حاصل کرتا ہے۔ اسی قدر ثواب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اعمال نامے میں لکھا جاتا ہے۔

عثمانی خلافت کا اجمالی نقشہ

حضرت فاروق اعظم جب اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو لوگوں نے درخواست کی کہ آپ کسی کو اپنی جانشینی کے لیے نامزد کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ چھ شخص ہیں (۱) عثمان رض (۲) علی رض (۳) طلحہ رض (۴) زبیر رض (۵) عبدالرحمٰن رض بن عوف (۶) سعد بن ابی وقاص رض ان سے زیادہ کوئی مستحق خلافت نہیں۔ ان میں سے کسی کو منتخب کر لینا۔ مگر تین دن سے زیادہ انتخاب میں دیر نہ کرنا۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم کے دفن کرنے کے بعد یہ چھ حضرات جمع ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ چھ میں سے تین کو سب اختیارات دے دیئے جائیں۔ حضرت زبیر رض نے فرمایا کہ میں نے اپنا اختیار علی کو دے دیا۔ حضرت طلحہ رض نے کہا۔ میں نے اپنا اختیار عثمان کو دیا۔ حضرت سعد نے کہا۔ میں نے اپنا اختیار عبدالرحمٰن کو دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا اچھا اب عثمان اور علی سے جو اپنی خلافت نہ چاہتا ہو۔ انتخاب کا اختیار اسی کو دیا جائے۔ یہ سن کر حضرت عثمان اور علی دونوں خاموش رہے تو حضرت عبدالرحمٰن نے کہا۔ اچھا میں اپنے لیے خلافت نہیں چاہتا۔ لہٰذا میرے سپرد کر دیجئے۔ میں آپ دونوں میں سے جو افضل ہوگا۔ اس کو انتخاب کروں گا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن کو یہ اختیار دے دیا گیا۔ اور ان کو تین دن کی مہلت دی گئی۔ حج کا موسم تھا۔ لوگ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آئے ہوئے تھے۔ لہٰذا علاوہ مدینہ کے دوسرے مقامات کے مسلمانوں کا اجتماع بھی اس وقت بہت تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے خفیہ طور پر مسلمانوں کی رائے لی۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے دو شخص بھی ایسے نہ ملے جو حضرت علی کو حضرت عثمان پر ترجیح دیتے ہوں لہٰذا بغیر کسی نزاع و اختلاف کے حضرت عثمان کا انتخاب ہو گیا اور سب نے ان کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔

بارہ دن کم بارہ سال آپ نے خلافت کے فرائض انجام دیئے۔ اسلامی فتوحات کا سلسلہ بھی آپ کے عہد مبارک میں قائم رہا اور مسلمانوں کی دینی و دنیوی ترقیاں فیوماً بڑھتی رہیں۔

اس بارہ میں چھ سال تو نظام حکومت ایسا درست رہا کہ کسی کو کوئی شکایت نہ تھی سب لوگ آپ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ مگر آخری چھ سال میں آپ نے اپنے اعزہ و اقارب کو عہدوں پر مقرر کیا۔ اور انہوں نے کام خراب کر دیا۔ صلہ رحم کی صفت کا آپ پر غلبہ تھا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ صفت بڑی عمدہ صفت ہے۔ مگر کوئی چیز کیسی ہی عمدہ ہو۔ جب وہ حد اعتدال سے تجاوز کر جائے۔ تو خرابی پیدا ہوتی ہے تاہم یہ خرابیاں یا کمزوریاں بمقابلہ ان خوبیوں کے جو آپ کی ذات والا صفات میں تھیں۔ اور بمقابلہ عظیم الشان خدمات اسلامیہ کے جو کہ آپ نے انجام دیں ہرگز قابل اعتراض نہیں ہو سکتیں۔

آپ کے عہد خلافت کی فتوحات

آپ کے عہد خلافت میں دو قسم کی فتوحات حاصل ہوئیں۔

اول وہ کہ بعض ممالک جو حضرتِ فاروق کے زمانہ میں مفتوح ہو چکے تھے اور ان کے بعد باغی ہو گئے۔ حضرتِ عثمان رض کے زمانہ میں دوبارہ ممالک پھر فتح کئے گئے۔

دوئم وہ کہ جدید ممالک میں جہاد ہوئے اور وہ مقامات اسلام کے قبضہ میں آئے۔

یہاں ان دونوں قسم کی فتوحات کا مختصر تذکرہ بطور نمونہ کیا جاتا ہے۔

ہمدان کے لوگ باغی ہوئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے ہاتھ پر دوبارہ یہ ملک فتح ہوا۔ رے کے لوگوں نے بھی علم بغاوت بلند کیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت

براء بن عاذب کے ذریعہ سے از سر نو اس مقام پر اسلام کا قبضہ ہوا۔ اسکندریہ میں بغاوت کی آگ بھڑکی۔ حضرت عمرو بن عاص کی کوشش سے پھر یہ مقام فتح ہوا۔ آذر بائیجان کے لوگوں نے بھی غدر کیا حضرت ولید بن عقبہ کی کوشش سے پھر مسلمانوں کا اس پر تسلط ہوا۔

اس سلسلہ میں آذر بائیجان کے قرب و جوار کے مقامات بھی مفتوح ہوگئے۔ آرمینیہ بھی مفتوح ہوا۔ یہ فتوحات حضرت عثمان کی حضرت صدیق کی خدمت قتال مرتدین کے مثل تھیں۔ اگر ان کی کوشش نہ ہوتی اور یہ بغاوتیں فرو نہ ہوتیں تو نتیجہ خدا جانے کیا ہوتا اور کفر کی طاقتیں جو ٹوٹ چکی تھیں۔ پھر کس شان سے عود کر آتیں

جنگِ افریقہ افریقہ کی جنگِ عظیم جو اسلامی تاریخ میں حرب العبادلہ کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت عثمان نے افریقہ کے فتح کرنے کے لیئے عبداللہ بن سعد کو مصر کی حکومت عطا فرمائی اور ان سے فرمایا کہ افریقہ میں جس قدر مال غنیمت ہوگا اس کا پچیسواں حصہ تم کو دیا جائے گا۔ اس زمانہ میں افریقہ کا حاکم قیصر روم کی طرف سے جرجیر نامی ایک شخص تھا۔ طرابلس سے لے کر طنجہ تک اس کی حکومت تھی اور بڑا متکبر و مغرور تھا۔ اس نے مسلمانوں سے لڑنے کیلئے ایک لاکھ بیس ہزار سوار فراہم کئے ادھر حضرت عثمان نے بھی ایک بڑی فوج مرتب کرکے روانہ فرمائی۔ جس میں اکابر صحابہ مثل عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر تھے۔ عبداللہ بن سعد نے مصر سے ایک بڑی فوج فراہم کی یہ سب اسلامی فوجیں بہ ہیئات اجتماعیہ افریقہ پہنچیں۔ اور معرکہ کارزار گرم ہوا۔ یرموک اور قادسیہ کی لڑائی کے بعد اس لڑائی کا نمبر رکھا گیا ہے۔ چالیس دن تک لڑائی جاری رہی۔ روزانہ صبح سے دوپہر تک لڑائی رہتی تھی۔ اس کے بعد دونوں فوجیں خستہ ہو ہو کر اپنے خیموں میں آرام کرتی تھیں۔ چند روز کے بعد حضرت عثمان نے عبداللہ بن زبیر کو ایک تازہ دم فوج دے کر کمک کے لیے روانہ فرمایا اور تاکید فرمائی جلد سے جلد افریقہ پہنچ کر اپنے بھائیوں کی مدد کرو۔ جس وقت یہ تازہ دم فوج افریقہ پہنچی۔ مسلمانوں کی خوشی کا کیا پوچھنا۔ سب نے یک دم نعرہ بلند کیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نے دیکھا کہ عبداللہ بن سعد جو اس فوج کے سردار تھے کچھ خائف ہیں اور وجہ یہ معلوم ہوئی کہ جرجیر نے اپنی فوج میں یہ اعلان کر دیا ہے۔ کہ جو شخص عبداللہ بن سعد کا سر لائے گا اس کو ایک لاکھ اشرفیاں دی جائیں گی۔ اور جرجیر کی لڑکی اس کے حوالے کی جائے گی۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر نے اس حصہ فوج کو جو اب تک آرام کر رہا تھا۔ میدان جنگ میں آنے کا حکم دیا چنانچہ اس فوج نے میدان میں پہنچ کر ملعونوں کو آرام بھی نہ کرنے دیا وہ لڑائی ہوئی کہ کافروں کے حوصلے پست ہوگئے اور جرجیر خود حضرت عبداللہ بن زبیر کے ہاتھوں سے قتل ہوا اور اس کی فوج میں ہزیمت شروع ہوئی بے شمار کافر تہ تیغ ہوئے۔ اس قدر مالِ غنیمت حاصل ہوا کہ خمس جدا کرنے کے بعد فی سوار تین ہزار اشرفیاں اور فی پیادہ ایک ہزار اشرفیاں تقسیم ہوئیں اور حسب اعلان ایک لاکھ اشرفیاں اور جرجیر کی لڑکی حضرت عبداللہ بن زبیر کو ملی اس لڑائی کو حرب العبادلہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ سردارِ فوج عبداللہ بن سعد اور میمنہ لشکر پر عبداللہ بن عمر اور میسرہ پر عبداللہ بن زبیر اور مقدمہ لشکر پر عبداللہ بن عباس تھے۔ فتح افریقہ کے بعد اسلامی فوجیں بجانب مغرب بڑھیں وہاں بھی جنگ عظیم پیش آئی بالآخر طرابلس اور اندلس اور مغرب کے تمام شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے اور دین پاک کا جاہ و جلال مغرب میں چمکنے لگا۔

۲۔ بحری لڑائی جن سے اب تک مسلمان ناواقف تھے اور دونوں خلیفہ کے وقت میں کوئی بحری جنگ نہ ہوئی تھی۔ بالکل نیا معرکہ تھا۔

حضرت فاروق اعظم نے قیصر روم کی شوکت کو پامال کر دیا تھا۔ مگر پھر بھی، کچھ اثر قیصر کا باقی تھا اور ساحلی مقامات پر اس کی حکومت قائم تھی۔ سب سے پہلے بحری لڑائی کا خیال حضرت معاویہ کے دل میں پیدا ہوا اور انہوں نے حضرت عثمان سے عرض کیا آپ نے ان کو اجازت دے دی اور ایک بڑی فوج ان کی ماتحتی میں دے کر جزیرہ قبرص کی طرف روانہ فرمایا۔

اسلامی فوجیں جہازوں میں سوار ہو کر سمندر میں داخل ہوئیں۔ رومیوں سے پچاس لڑائیاں ہوئیں اور تمام وہ جزائر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ قیصر روم کا نام و نشان مٹ گیا۔ عیسائیت کا جسم بے جان خاک ہوگیا اور اسلام کی روح پاک نے مردہ زمینوں میں جان ڈالی۔

یہ بحری لڑائیاں وہ تھیں۔ جن کی پیش گوئیاں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی فرما چکے تھے۔ اور ان لڑائیوں سے اپنی رضا مندی کا اظہار بھی فرما چکے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز دوپہر ام حرام کے گھر میں قیلولہ فرما رہے تھے۔ یکایک آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ ام حرام نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت میں نے اپنی امت کے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ سمندر میں جہازوں پر بڑی شان و شوکت کے ساتھ چلے جا رہے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا بادشاہ تختوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اس جماعت کے لیے جنت واجب ہے۔ ام حرام نے عرض کیا یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ میں بھی اس جماعت میں ہو جاؤں۔ آپ نے ان کے لئے دعا کی اور فرمایا کہ تم اس جماعت میں ہوگی۔ چنانچہ ام حرام اپنے شوہر کے ساتھ اس فوج میں گئیں اور واپسی کے وقت گھوڑے سے گر کر چل بسیں۔ جزیرہ قبرص میں دفن ہوئیں۔ یہ بحری لڑائیاں ان پیش گویوں اور بشارتوں کی وجہ سے حضرت معاویہ کے عمدہ فضائل میں شمار کی گئیں۔

۳۔ ملک ایران کے بھی کچھ حصے فتح ہونے سے رہ گئے تھے۔ مثلاً خراسان اور جوین اور بیہق اور فیروز آباد اور شیراز اور طوس اور نیشاپور اور ہرات اور بلخ وغیرہ یہ تمام مقامات حضرت عثمان کے عہدِ خلافت میں فتح ہوئے۔

۴۔ قیصرِ روم بھی آپ ہی کے عہدِ خلافت میں مارا گیا۔ اور یزد گرد بھی آپ ہی کے عہد مبارک میں فی النار ہوا۔ اس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔

درسِ قرآن

تذکیر بآلاءِ اللہ

از مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب ~~~ مرتّبہ: محمد عثمان غنی

(۴)

سورتِ النّحل کے پہلے رکوع کا کچھ حصّہ گذشتہ درس میں تلاوت کیا گیا تھا۔ اس کے شروع میں میں نے یہ عرض کیا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے اس سورت میں جس کا نام نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتِ النحل تجویز فرمایا اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں پر اپنے انعامات اور اپنے احسانات کا ذکر فرمایا ہے اس لئے بعض علماء تفسیر نے اس سورت کا نام سورت نعم یعنی نعمتوں والی سورت بھی تجویز فرمایا ہے۔ لیکن مشہور نام سورتِ النحل ہی ہے۔ اگرچہ اس سورت میں اللہ تعالےٰ کی اور نعمتوں کو بھی بیان فرمایا گیا لیکن ایک عظیم نعمت کے فوائد بیان کرنے میں رب العالمین نے اس سورت میں چند آیات بیان فرمائیں وہ وہ نعمت ہے جو دوسری نعمتوں سے عجیب تر، عظیم تر اور خداوندِ قدوس کی قدرتوں کو عظیم طریقے پر بیان کرنے والی ہے وہ ہے شہد کا پیدا کرنا کہ کس طرح شہد کی مکھی رس چوستی ہے۔ پھر خاص طریقے پر اس کو ایک مائع میں تبدیل کر دیتی ہے اور پھر وُہ سیّال مادہ اس کے بدن سے نکلتا ہے۔ جس کو دنیا والے شہد کہتے ہیں اور اس میں لوگوں کے لئے علاج ہی نہیں بلکہ شفاء ہے۔ اسی مناسبت سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورتِ مقدسہ کا نام سورتِ النحل رکھا۔

اللہ تعالےٰ کی جو نعمتیں انسانوں پر ہیں اُن کی ہم موٹی موٹی دو قسمیں کر سکتے ہیں۔ ایک وہ انعامات ہیں جو ہمیں معلوم ہیں اور دوسرے وہ جو ہمیں معلوم نہیں ہیں۔ ہم ان کو اگر معلوم کرنا بھی چاہیں تو ہمارے لئے بڑی کد و کاوش ہوگی۔ پھر جو نعمتیں اللہ تعالےٰ کی ہم پر ہیں اور ہمیں معلوم ہیں ان کی پھر دو قسمیں ہیں۔ کچھ تو وہ نعمتیں ہیں جن کی تخلیق میں، جن کو قابلِ فائدہ بنانے میں انسانی عمل کا کچھ تھوڑا سا دخل ہے اور کچھ وہ نعمتیں ہیں جن کی تخلیق میں، جن کو مفید اور کارآمد بنانے میں انسان کا کوئی دخل نہیں اگر ہے تو وہ برائے نام ہے۔ تو اللہ تعالےٰ کی وہ نعمتیں جن میں انسان کے دستِ تصرّف کا کوئی دخل نہیں ہے اس سورتِ مقدسہ میں بیان فرمائیں۔ کہ اے انسانو! تم پر میری بڑی بڑی نعمتیں ہیں اور ان نعمتوں کا تعلق اگرچہ بظاہر تمہارے بدن کے ساتھ ہے لیکن بدن ہی کی تقویت سے روح بھی پنپتی ہے اور بدن کی آسائشوں کو دیکھ کر تم اللہ تعالےٰ کی پہچان کر سکتے ہو۔

انسان کی یہ فطرت ہے اور ہونی چاہیئے، بلکہ انسان تو بجائے خود رہا وہ مخلوق جس کو ہم بدترین مخلوق کے ساتھ کبھی کبھی تعبیر کر لیتے ہیں وہ بھی احسان کے ساتھ اپنے محسن کی قدر کرتا ہے۔ دیکھ لیجئے یہ کتا ایسا جانور ہے۔ جس کو ہم بہت بڑی نسبت کے ساتھ یاد کرتے ہیں لیکن اس میں بھی کچھ ایسی صفات ہیں کہ جس کے ہاں سے یہ کھاتا ہے اپنی جان کو قربان کر دینے پر بھی اس کی وفاداری سے پیچھے نہیں ہٹتا —— تو انسان، جو اشرف المخلوقات ہے، اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو کھا کر، اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو پا کر، اللہ تعالےٰ کے احسانات کو حاصل کر کے پھر خداوندِ قدوس کا شکر ادا نہ کرے، پھر خداوند قدوس کو اپنا معبود نہ سمجھے، پھر خداوند قدوس کے احکام کی تعمیل نہ کرے تو پھر بتایئے وہ انسان کہلانے کا کیسے مستحق ہے؟ اسی واسطے رب العالمین نے سورتِ اعراف میں فرمایا کہ ہم نے کچھ ایسی مخلوقات پیدا کی ہیں جو بظاہر انسان نظر آتے ہیں —— ایسی مخلوقات پیدا کی ہے جو جنّ ہیں، جنّ اور انس دونوں مکلّف ہیں احکام الٰہیہ کے، اور فرمایا کہ ان کے بھی اسی طرح کے اعضاء ہیں جیسے کہ عام انسانوں کے ہیں۔ ان کو ہم نے کان دیئے، ان کو ہم نے آنکھیں دیں، اُن کو ہم نے دل دیا تاکہ وہ سوچیں سمجھیں لیکن نتیجہ بیان فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط (الاعراف ۱۷۹) یہ درحقیقت جو انسانی لباس میں تمہیں نظر آتے ہیں یہ انسان نہیں بلکہ کالانعام ہیں۔ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ فرمایا۔ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط چارپایوں سے بھی یہ زیادہ گمراہ ہیں، غلطی پر چلنے والے ہیں، اور وجہ بیان فرمائی اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (اعراف ۱۷۹) یہ اپنی حقیقت سے بھی بے خبر ہیں۔ یہ اپنے آپ کو بھی نہیں سمجھتے کہ ہم کیا ہیں؟ ہمیں اللہ تعالےٰ نے انسان بنایا۔ ہم اشرف المخلوقات ہیں۔

اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو بیان کرنے کی جو حکمت ہے قرآن حکیم میں، وہ ہے "تذکیر بآلاء اللہ"، اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو بیان فرما فرما کر اپنے بندوں کو اپنی طرف جھکنے کی دعوت دینا، کیونکہ انسان عبدالاحسان ہے، جس پر احسان کیا جائے اُس کا ذہنی اور فطری تقاضا ہونا چاہئے کہ وہ اپنے محسن کی بھلائی چاہے، اپنے محسن کی اطاعت کرے۔ کم از کم محسن کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے تو ربّ العالمین نے قرآن کریم کے بہت سے حصّوں میں ایسی آیات بیان فرمائی ہیں کہ جن میں انسانوں پر اپنے انعامات کا ذکر فرمایا جن کو انسان رات دن دیکھتا رہتا ہے۔

قرآن مجید نے ایک مقام پر شکوہ کیا اپنے بندوں کا کہ یہ میری بہت سی آیتیں دیکھتے ہیں اور ان آیتوں سے گذر بھی جاتے ہیں۔ رات دن ان کو استعمال کرتے ہیں لیکن وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ٥ (الانبیاء ۳۲) یہ اُن کی حقیقت سے منہ موڑتے ہیں، نعمتوں کو دیکھ کر منعم کو پہچانتے نہیں بلکہ منعم کے مقابلے میں آ جاتے ہیں۔

مَیں عرض یہ کر رہا تھا کہ اللہ تعالےٰ کی بندوں پر جو نعمتیں ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ نعمتیں ہیں جو ہمیں نظر آتی ہیں، وہ ہم جانتے ہیں۔ اور ایک وہ نعمتیں ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتیں۔ یا ان کی تعبیر آپ یوں کر لیجئے کہ کچھ وہ انعامات اور اکرامات ہیں جن کا تعلّق انسان کے بدن کے ساتھ ہے اور کچھ وہ انعامات و اکرامات ہیں جن کا تعلّق انسان کی روح کے ساتھ ہے۔ تو بدن کی جو نعمتیں ہیں وُہ بندوں کے لئے زیادہ اہتمام رکھتی ہیں بہ نسبت روح کی نعمتوں کے۔ ہم عام جو انسان ہیں، ہمیں اگر یہ بات سمجھا دی جاتے، یہ کہا جاتے کہ تمہیں اللہ نے روح بخشی، تمہیں اللہ نے ذہن دیا، تمہیں اللہ نے دل اور دماغ دیا۔ ہم یہ بات جلدی نہیں سمجھتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ دیکھو تمہیں اللہ نے آنکھیں دی ہیں، اب کون سا وہ انسان ہے جو اس کا انکار کرے؟ تم دیکھو اللہ نے تم کو زبان دی ہے، حواسِ ظاہریہ جنہیں کہا جاتا ہے انہیں ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے۔

قرآن مجید نے ان نعمتوں کا جن کا تعلّق انسان کے بدن کے ساتھ ہے زیادہ بیان فرمایا ہے تاکہ انسان ان نعمتوں کو دیکھ کر کہ اللہ نے جب میرے بدن کی تربیّت کے لئے اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں تو واقعی وہ رب العالمین میرا مسجود ہونا چاہیئے۔ وہی ربّ العالمین میرا معبود ہونا چاہیئے وہی ربّ العالمین میرا مقصود ہونا چاہیئے۔ اگرچہ ان نعمتوں کے بیان کرنے میں حکمت یہی ہے اور ساتھ یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ اے میرے بندو! جس طرح مَیں نے تمہارے بدن کے لئے اتنی نعمتیں پیدا کی ہیں روح کی تربیت کے لئے، جس پر انسانیّت کا دار و مدار ہے، مَیں نے کچھ انتظام نہ کیا ہو گا؟

قرآن مجید نے جو دعائیں ہمیں سکھائیں ان دعاؤں میں میرے بزرگو! تقریباً دونوں باتوں کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم جب بیت اللہ شریف بنا چکے۔ تو آپ نے دعا کی۔ رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ لا رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ۝ (ابراہیم ۳۷) اللہ تعالیٰ کے حضور جو دعا کی، اور یہ دعا خود نہیں کی اللہ تعالےٰ نے دعا کرنے کا طریقہ بتایا اور اللہ تعالےٰ نے الفاظ آپؑ پر نازل کئے۔ انبیاء علیہم السلام کی جو دعائیں قرآن مجید میں آئی ہیں۔ وہ ان کی اپنی ذاتی اختراعات نہیں ہیں بلکہ اللہ نے ان کے دل میں یوں بات ڈالی، وہ دعائیں بھی الہام ہیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے وہ جو گندم وغیرہ کا دانہ کھا لیا تھا اور پھر اللہ تعالےٰ نے آپؑ کو جو انابت کی توفیق بخشی تو پہلے ہی پارے میں آتا ہے۔ فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ (البقرہ ۳۷) آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمات حاصل کر لئے۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے آپؑ پر اس دعا کا القاء فرمایا—— دوسرے مقام پر اس دُعا کو ذکر فرمایا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (اعراف ۲۳) یہ اشارہ مَیں نے اس لئے کر دیا کہ قرآن کریم کی تقسیم یوں نہ کی جائے کہ قرآن میں کچھ وہ دعائیں ہیں جو نبیوں نے کیں نبیوں نے اپنی زبان سے تو کی ہیں لیکن ان دعاؤں کو اُن کے دلوں پر القاء کرنے والے کون ہیں؟ ربُّ العالمین ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی دعائیں جو ہیں وہ بھی من جانب اللہ ہیں۔ پہلے زمانے میں کچھ ایسے لوگ گذرے ہیں جنہوں نے کہہ دیا تھا کہ مُعَوَّذَتَیْن جو ہیں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝—— اللہ تعالےٰ نے جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا سکھائی کہ آپؐ یہ دعا پڑھا کریں تاکہ آپؐ پر حاسدوں کا، خواہ وہ جنّ ہوں یا وہ انسان ہوں ان کے مکر و تدبیر کا اثر نہ ہو، اس لئے ان دو سورتوں کو قرآن نہ سمجھا جائے۔ لیکن یہ بات یوں نہیں ہے۔ جو کچھ بھی انوارِ نبوّت سے ثابت ہو، جو کچھ بھی لسانِ نبوّت سے صادر ہو، جو کچھ بھی کسی نبی علیہ السلام نے دعائیں کیں، جن کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے۔ یہ دعائیں ان پر من جانب اللہ القاء کی گئی ہیں، جس کی دلیل میں مَیں نے ابھی آپ کے سامنے پیش کیا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم، جو سب سے پہلے انسان ہیں، اور سب سے پہلے نبی اور رسول ہیں۔ انہوں نے جو دعا اللہ تعالےٰ کے حضور کی، وہ دعا اپنی طرف سے نہیں کی بلکہ فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ، اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپؑ پر یہ کلمات القاء کئے گئے۔

(باقی آئندہ)

مدرسہ قاسم العلوم کا سالانہ جلسہ

مدرسہ عربیہ قاسم العلوم ملتان کا سالانہ جلسہ بتاریخ ۲۳ تا ۲۵ رجب ۹۰ھ مطابق ۲۵ تا ۲۷ ستمبر ۷۰ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار منعقد ہونا قرار پایا ہے۔ جس میں مشاہیر علماء کرام و صوفیاء عظام شرکت فرما رہے ہیں جو اس عظیم الشان جلسہ میں گذشتہ سال کے فارغ التحصیل فضلاء کرام کی دستار بندی بھی فرمائیں گے اور سندات بھی تقسیم فرمائیں گے۔ تمام بہی خواہان مدرسہ ہذا کی خدمت میں التماس ہے کہ جلسہ کے تمام اجلاسوں میں شرکت فرما کر قدمے درمے سخنے امداد فرما کر ثواب دارین حاصل فرمائیں۔

محمد شفیع مہتمم مدرسہ ہذا

بقیہ: دروس القرآن

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تمام وقت میری عبادت میں گذارو۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (۵۱: ۵۶) میں نے جنّ اور انسان کو صرف اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔ جو اس پروگرام پر عمل کرے، اس کے لئے پھر کسبِ حلال کے لئے وقت نہیں بچ سکتا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر پانچ وقت نماز پڑھ کر باقی ہر کام بسم اللہ سے شروع کیا جائے تو حق بندگی پورا ہو جائے گا۔ اور ہر کام بسم اللہ سے شروع کرنے والا انسان ذکر اللہ میں مشغول سمجھا جائے گا۔ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (۳: ۱۹۱) وہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پہ لیٹے یاد کرتے ہیں۔

تشریح الفاظ: بسم اللہ سے پہلے اَشْرَعُ یا اَبْدَأُ محذوف ہے یعنی میں شروع کرتا ہوں یا ابتدا کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ۔

اللہ: ایسی ذات جو تمام صفات و کمالات کی جامع ہے۔

رحمٰن ورحیم: یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے۔ ترجمہ ہوگا بے حد مہربان، نہایت رحم والا۔

الاعتبار والتاویل

فضائل بسم اللہ: بسم اللہ کی تعلیم کا خلاصہ صرف ب میں موجود ہے ب الحاق کے لیے ہے اور تمام کتب سماوی کا مقصد بندہ کو خدا سے ملانا ہے۔ بندہ دنیا میں بندگی کے لیے آیا ہے۔ ؎

بندہ آمد از برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

اس تعلق میں جو بندہ کو خدا کے ساتھ حاصل ہوتا ہے، اسباب دنیا رخنہ انداز ہوتے ہیں۔ کتب سماوی اسی تعلق کی درستگی کے لیے نازل ہوتی ہیں اور اب ہمیشہ کے لیے قرآن حکیم ہی تعلق باللہ کی درستگی کا واحد کفیل ہے۔

اسباب دنیا میں سب سے پہلے انسان کا اپنا وجود ہی تعلق باللہ میں خلل انداز ہونے کے لیے کافی ہے۔ بیوی آجانے کے بعد پھر خدا ہی حافظ ہے۔ اگر بچوں کی آمد شروع ہو گئی تو پھر بڑی مصیبت ہے۔ جب انسان مجرد ہوتا ہے تو وہ ایک پرندے کی طرح ہے۔ جہاں چاہے اڑے، جہاں چاہے بیٹھے، بالکل آزاد ہے۔ جب بیوی آئی تو چار پایہ ہو جاتا ہے۔ اب رسّے سے باندھ دیا جاتا ہے۔ جب بچے آگئے تو ہزار پایہ بن جاتا ہے اور تعلقات کے گورکھ دھندے میں پھنس کر خدا کو بھول جاتا ہے اب اس کے لیے حق بندگی ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی ہے غافل بنانے والی دنیا ہے

چیست دنیا؟ از خدا غافل بُدن
نے خیالِ نقرہ و فرزند و زن

انسان حقیقت میں دنیادار ہے۔ دنیا دار کے معنی دولت مند نہیں۔ ایک لاکھ پتی ہے۔ لیکن خدا کی یاد میں شاغل ہے تو وہ دیندار ہے اور ایک کنگال خدا کی یاد سے غافل ہے تو وہ دنیادار ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ معظمہ میں ایک صراف کو دیکھا جو سونے چاندی کا کاروبار کرتا تھا، لیکن اس کا دل ایک لمحہ کے لیے بھی یادِ خدا سے غافل نہ پایا۔

غرض بسم اللہ کی ب میں بندہ کو خدا سے ملانے کا مفہوم ہے۔ اگر بسم اللہ پڑھ کر بندہ خدا سے مل گیا تو بندگی کا سارا مقصد پورا ہو گیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انسان بظاہر سب کے ساتھ ہو لیکن حقیقت میں تعلق صرف اللہ کے ساتھ رکھے ؎

دلا تو رسم تعلق ز مرغ آبی جو
اگرچہ غرق بدریاست خشک پر برخاست

لیکن یہ چیز حال تب بنتی ہے جب اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر باقاعدہ تربیت کرائی جائے۔

؏ بے میوہ ز میوہ رنگ گیرد

ایسے اللہ والے بہت کمیاب ہیں اگرچہ نایاب نہیں ہیں۔ جواہرات ملنے آسان ہیں لیکن اللہ والوں کا ملنا مشکل ہے۔ جواہرات تو بے ایمانوں کے گھروں میں بھی ہوتے ہیں۔ اگر اللہ والے مل بھی جائیں تو پھر ان سے فیض حاصل کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ اس کے لیے عقیدت، ادب اور اطاعت شرط ہے۔ اگر ایک شرط بھی کم ہو جائے تو فیض حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اکثر محروم رہ جاتے ہیں ؎

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ انہی اللہ والوں کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ؎

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

ڈاکٹر صاحب ایک ایک شعر میں ایک ایک موتی رکھ گئے ہیں۔ پہلے شعر میں "موج نفس" ایک موتی ہے۔ دوسرے میں "ارادت" ایک موتی ہے۔ یہی "عقیدت اور ادب" ہے۔ تیسرے شعر میں "خدمت" ایک موتی ہے۔ جس سے "اطاعت" مراد ہے۔

بسم اللہ شاہنشاہِ حقیقی کا سرکاری اعلان ہے۔ اگر اسے معمول بہ بنایا جائے تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے اعانت اور مدد ملے گی فقط بسم اللہ کی برکت سے اکثر اولیاء کرام نے اپنی کرامات کا اظہار کیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سے ایک مہمان کو اپنے گھر لائے۔ کھانا فقط ایک آدمی کا تھا دونوں نے بسم اللہ پڑھ کر شروع کیا تو اس میں اس قدر برکت آئی کہ کھانے کے بعد بھی بچ رہا۔

اللہ کے نام سے کام شروع کرنے میں برکت آتی ہے اور وہ کام شیطان کی زد سے محفوظ رہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بسم اللہ اعوذ پڑھ کر پاخانے میں داخل ہونے سے انسان جنوں کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ خبیث جن پاخانے میں رہتے ہیں اور انسان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ سب مقامات یکساں نہیں اور نہ سارے انسان یکساں ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ احب البلاد الی اللہ مساجدها وابغض البلاد الی اللہ اسواقها (المشکوٰۃ باب المساجد ص۶۸) سب سے محبوب ترین جگہیں مساجد ہیں اور سب سے مبغوض ترین جگہیں بازار ہیں۔

اللہ کے نام میں شیطان کے لیے بے حد دہشت ہے۔ وہ جلال الٰہی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اذان میں اللہ کا نام سن کر شیطان بھاگ جاتا ہے۔ (المشکوٰۃ ص۶۴) اللہ نے شیطان کو مہلت دے رکھی ہے لیکن وہ ڈرتا ہے کہ کہیں اسے منسوخ کر کے اسی وقت جہنم میں داخل ہونے کا حکم نہ دے دے۔ اس لیے وہ ڈرتا ہے اور دور بھاگتا ہے۔ صوفیاء کرام اللہ کے نام کی ضربیں دل پر لگانے کی مشق کراتے ہیں تاکہ شیطانی وساوس پاس نہ آنے پائیں۔

اللہ تعالےٰ قرآن حکیم کے ذریعے سے دنیا و آخرت میں رہنمائی فرماتے ہیں شیطان

ساتھ ساتھ وساوس پیدا کرتا جاتا ہے' پھر رہنمائی کیسے ہو سکتی ہے؟ اس کے لیے پہلے اعوذ باللہ پڑھا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اے اللہ! جو تیری تعلیم ہے اس کا اثر ہم پر ہو اور شیطان کا اثر نہ ہونے پائے اس کے بعد بسم اللہ کے ذریعے اللہ کے نام کی برکت سے مدد لی جاتی ہے۔ پہلے شیطان کی زد سے بچایا' اس کے بعد اللہ کے نام سے ابتدا کی تاکہ دل میں اطمینان پیدا ہو جائے۔ دل میں اطمینان پیدا ہونے سے ارادہ بنتا ہے اور یہ ارادہ خدا کے حکم کے تحت ہوتا ہے تو ایمان بنتا ہے۔ اس سے اعضا و جوارح حرکت میں آتے ہیں اور اعمال صالحہ ظہور پاتے ہیں۔

اللہ کے نام سے افتتاح کرنے کی تلقین اس لیے فرمائی کہ وہ خالق ہے اور یہ خارج از فطرت بوجھ نہیں بلکہ اللہ کا حق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میں تیرا ہوں تو میرا ہے اس لیے میں تیرے نام سے افتتاح کرتا ہوں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو کام بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے اس میں برکت نہیں ہوتی۔ اللہ والے برکت کے لیے بسم اللہ کا ورد سکھاتے ہیں۔ یہ ایک عمل ہے جس سے گھر میں برکت آتی ہے۔ گھر میں برکت سے مراد یہ ہے کہ ضرورتیں سب پوری ہوں دلوں میں اطمینان ہو اور باہمی الفت و محبت ہو۔ ساز و سامان کی بہتات ہو لیکن یہ تینوں چیزیں نہ ہوں تو اُس گھر میں برکت نہیں ہو گی بلکہ لعنت ہو گی۔ لعنت کے معنی بُعد عن الرحمت یعنی رحمت سے دُوری ہیں۔

جب اللہ کا نام دَم دَم میں آئے گا تو برکت آئے گی۔ خدا کے نام سے جو چیز ملوث ہو کر پیٹ میں جائے گی' برکت اس کے ساتھ جائے گی جس طرح شربت میں روح کیوڑہ ڈالا جائے اور پینے کے بعد ڈکار آئے تو اندر سے اس کی خوشبو آتی ہے۔ اسی طرح اللہ کے نام کی خوشبو ہر اُس چیز سے آئے گی جس میں اللہ کا نام ہوگا اور اللہ کا نام بھی اللہ والوں سے سیکھنے سے آتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہ کے اندر وہ جواہرات ہیں جو بادشاہوں کے تابوں میں بھی نہیں ہوتے بسم اللہ کے اگر مطالب کسی کو سمجھا دیئے جائیں تو دنیا و آخرت کے خزانے بھی اس کی قیمت کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس سے شرک نکل جاتا ہے اور توحید آ جاتی ہے اور انسان ابدی جہنم سے بچ جاتا ہے۔

درس مؤرخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۴۴ء

توحید راس العبادات ہے۔ بسم اللہ میں توحید سکھائی گئی ہے کہ ہر کام اللہ کے نام سے کیا جائے۔ توحید سلامت نہ ہو' اُس میں شرک ملا ہُوا ہو' تو نیک اعمال بھی قبول نہیں ہو سکتے۔ لیکن توحید سلامت ہو اور ساری برائیاں جمع ہوں تو معافی مل سکتی ہے یہ اور بات ہے کہ اس کے انصاف کے تقاضے کے تحت ذرا دوزخ میں جانا پڑے۔ شرک کی مثال اس عورت کی طرح ہے جو حسین ترین ہو' زیورات سے لدی ہو' لیکن غیر آدمی سے تعلق رکھتی ہو۔ خاوند اپنی بیوی کے سارے قصور معاف کر سکتا ہے لیکن بدچلنی معاف نہیں کر سکتا۔ عورت کا ہر حُسن اُسے قبیح نظر آئے گا۔ ایک بدصورت عورت کے ساتھ آدمی نباہ کر سکتا ہے لیکن بدچلن عورت کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بندہ اللہ کا کہلائے اور غیر اللہ سے بھی تعلق رکھے' یہ شرک ہے۔ اور شرک معاف نہیں کیا جائے گا۔ اللہ کے ساتھ تعلق کیسے ہونا چاہیئے یہ قرآن حکیم بتائے گا۔

جب مسلمان بسم اللہ کہے گا تو معلوم ہوگا کہ وہ توحید پرست ہے۔ اللہ کے سوا کسی کا نام نہیں لیتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی ضروریات کا کفیل ہے۔ جس طرح خاوند اپنی بیوی کی ضروریات کا کفیل ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ خاوند اپنی بیوی کی ہر ضرورت کو پورا کرے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ اگر بندے کی کوئی دعا پوری نہیں کرتا تو اس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ اور اس میں بندے ہی کا فائدہ ہوتا ہے۔

ع رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

ایسے ہی اللہ تعالےٰ بندے کی آرزو تبدیل کر دیتے ہیں اور بعض اوقات مؤخر کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ ہی معین و مددگار ہے۔ سارے کام اسی کی طاقت' مدد اور نصرت سے ہوتے ہیں۔ اس لیے کہا کہ بسم اللہ کہو کہ اللہ کے فضل اور مدد سے سب کام ہوتے ہیں۔ ہر کام اللہ کے نام سے ہو'۔ نہ کہ کسی غیر کے نام سے اور نہ کسی غیر کو قدرت حاصل ہے۔ یہی توحید ہے۔ جب یہ بات سمجھ میں آ جائے تو شرک پاس نہیں آ سکتا۔ بسم اللہ ہی سے نجات ہو سکتی ہے۔ بندہ تمام ماسوا اللہ سے منقطع ہو جائے گا اور اس میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا رنگ پیدا ہو گا۔ ہر حال میں اللہ کا نام ہوگا اور اسی کی مدد کا خواہاں ہوگا۔ اول بھی اللہ' آخر بھی اللہ' درمیان میں بھی اللہ' گھر سے بسم اللہ کہہ کر نکلے' بسم اللہ کہہ کر داخل ہوئے۔ کھانا کھاتے وقت بسم اللہ اور کھانا کھا لیا تو الحمد للہ۔

نگاہ و قلب کو وہ روشنی عطا کر دے
دلوں میں پیدا جو ایمان کی جلا کر دے
غبارِ زیست نے ڈھانپا ہے گوہرِ تاباں
اسے تو پھر سے درخشندہ اے خدا کر دے
الٰہی! پھر وہی پیدا ہو جذبۂ ایثار
الٰہی! پھر وہی سوزِ دروں عطا کر دے!

بقیہ: ملکیتِ زمین ....

بھی چاہتا ہے کہ مالک ہو۔ کیونکہ وراثت مورث کی مملوکہ چیز میں ہی چل سکتی ہے۔

آں محترم لکھتے ہیں کہ:

"سرمایہ دار طبقے نے پیغمبرِ اسلامؐ کے وصال کے فوراً بعد اپنے مفادات کی خاطر قرآن کے بیان کردہ اصولوں کی ایسی تشریح کی جو ان کے مفاد کے مطابق تھی۔"

یعنی حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ نے عمداً قرآن کے بیان کردہ اصولوں کے خلاف غلط تشریح کی تو گویا کوئی صحابی عادل نہ رہا۔ کیونکہ سرمایہ دار طبقہ تو عمداً غلط تشریح کرکے نعوذ باللہ فاسق ہوا ہی تھا۔ لیکن دوسرے صحابہؓ نے ان کی اس غلط تشریح پر ان کو ٹوکا نہیں لہٰذا وہ بھی نہی عن المنکر نہ کرنے کی وجہ سے درجۂ اعلیٰ سے منحط ہوگئے۔

عالیجاہ! صحابہ کرام، قرآن کریم تو ایک طرف رہا حضور علیہ السلام کی معمولی سنت پر بھی جان دیتے تھے اور شریعت کی معمولی سی خلاف ورزی کو سختی سے کچل دیتے تھے۔

خدارا پہلے تولو پھر بولو کو مدنظر رکھ کر بات کرو۔

اپنا ذہن صحابہ کرامؓ کی تشریح کے مطابق بنائیں۔ اپنے ذہنی اختراع کے خلاف صحابہ کرامؓ کی رائے کو ہدفِ تنقید نہ بنائیں۔

میں آخر میں عبداللہ بن مسعودؓ کے گزشتہ فرمان کی طرف پھر آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں تاکہ صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چل کر دنیا و آخرت سدھر سکے۔

بقیہ: مجلسِ ذکر

اپنا قانون اور دستور خود مرتب فرماکر اپنے حبیبؐ کے واسطے سے نازل فرمایا اس کے اجراء کے لئے ووٹوں کی کیا ضرورت ہے؟ بہرحال چونکہ گذشتہ ۲۳ سال تک تمام حکومتوں نے اسلام کا نام لے لے کر اللہ کے قانون کو جگہ نہ دی اور من مانی کرتی رہیں۔ اس لئے اب امت کا فرض ہے کہ وہ پرانے شکاریوں کے دامِ فریب سے بچے اور اسلام کے صحیح خدمت گذاروں کو اپنا نمائندہ منتخب کرکے آگے بھجوائے تاکہ کسی نہ کسی طرح اس سرزمین پر احکاماتِ الٰہیہ نافذ ہوسکیں اور خلقِ خدا چین کا سانس لے سکے۔

غیب کا تو اللہ کو علم ہے بچارے سادہ لوح مسلمان آج تک گندم نما جَو فروش رہنماؤں کی چکنی چپڑی باتوں اور اسلام کے خالی خولی نعروں سے متاثر ہوکر اُن کو منتخب کرتے رہے اور ان بدبختوں نے بھی جو کچھ کہا عملاً اُس کے بالکل برعکس وہی کچھ کیا جس کی ان سے توقع کی جا سکتی تھی۔ مثلاً گذشتہ انتخابی جنگ میں جب کبھی اسلامی قانون کا مسئلہ سامنے آتا سابق صدر ایوب کہتے جی سفید کاغذ پر دستخط کروا لو۔ صدر جمہوریہ ہوتے ہوئے ایک ذمہ دار آدمی کی حیثیت سے اگر ایک شخص یوں کہے تو کوئی کیونکر شک کرے؟ غیب کا حال تو خدا کو معلوم تھا۔ اب بعد میں پتہ چلا کہ وہ فریب ہی فریب تھا۔ اس نے عملاً بالکل کوئی قدم نہ اٹھایا۔ خاندانی منصوبہ بندی پر کروڑوں روپے خرچ کئے۔

اب میں یہ کہتا ہوں کہ ایسے لوگوں کو منتخب کرنا چاہیئے جن کو اللہ نے اپنے دین کی دولت عطا فرمائی ہے اور اپنا قانون نافذ کرنے کی اہلیت بخشی ہے۔ علماءِ اسلام مجبوراً انتخابات میں حصہ لینے کے لئے میدان میں آگئے ہیں کیونکہ بار بار قوم سے اسلام کے نام پر دھوکہ کیا جاتا رہا ہے۔ اب ہم سب پر حتی المقدور کوشش کرکے اسلام کے صحیح خادموں کو منتخب کرکے اسمبلیوں میں بھجوانا فرض ہے۔ اگر خدانخواستہ اب بھی احتیاط سے کام نہ لیا گیا تو پھر وہی پرانے سیاستدان ہم پر مسلط ہوکر اپنی پسند کا قانون بنا لیں گے اور ہم سب عنداللہ جوابدہ ہوں گے۔ ہر کوئی ولی تو نہیں لیکن ولی کا معاون تو بن سکتا ہے۔

یاد رکھئے اسلام کو اس ملک میں وہی جماعت رائج کر سکتی ہے جس کے دل میں اسلام کا درد ہو۔ آج تک اسلام کے نام پر قوم سے کتنے دھوکے کئے گئے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ پھر وقت آرہا ہے اور ہر شخص کے لب پر اسلام کا نام ہے۔ لوہار کا کام لوہار ہی کر سکتا ہے۔ دینِ اسلام کا نفاذ عالمِ دین ہی کر سکتا ہے۔ علماء کو کمتر نہ جانئے۔ یہ اللہ کے دین کے علمبردار ہیں۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا رَبَّنَا مَا جَاءَنَا مِنْ نَذِیْرٍ۔

اللہ تعالیٰ اس ملک کو خلفشار سے بچائے۔ اللہ کا دین یہاں پہ نافذ کرنے کی ہم سب کو توفیق ارزانی فرمائے۔ اور اگر کفر یہاں پر غالب آجائے تو پھر ہمارے لئے زندگی سے موت بہتر ہے۔ علماء نے بغور سوچ کر الیکشن کی مہم میں حصہ لیا ہے کہ اگر ہم بیٹھے رہتے ہیں اور یہاں کفر غالب آجاتا ہے تو پھر علماء سے بھی پوچھ ہوگی۔ اگر یہاں اسلام غالب نہ آیا تو پھر یاد رکھ لیں یہاں پر خون خرابہ ہوگا۔ غریب امیر کی جنگ ہوگی۔ ساری دنیا میں آپ دیکھ لیں کمیونزم جہاں کہیں آیا خون خرابے سے آیا اس کو پھر دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کمیونزم تو اسلام کا ناشتہ بھی نہیں ہے۔ اسلام نافذ ہوگیا تو کمیونزم کے لئے یہاں گنجائش ہی کوئی نہیں ہے۔ اگر علماء اسلام کو طاقت مل گئی تو انشاءاللہ وہ اس ملک میں اسلام نافذ کرکے دکھا دیں گے۔ یہ سرزمین اللہ کی رحمتوں کا مرکز بن جائے گی اور یہاں پر کوئی بھی مفلوک الحال نہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والا دین یہاں پر نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بقیہ: جہاد جاری رکھیئے

کرنی پڑیں انہیں خندہ پیشانی اور ثباتِ قدمی سے برداشت کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی راہ میں سرقربانی اور جہاد جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا الٰہ العالمین!

بقیہ: مولانا سیّد اسعد مدنی

میں نے تو یہ سفر ان مخلص حضرات کی ملاقات اور والد محترم (حضرت شیخ مدنی رح) کے مریدوں اور عقیدتمندوں سے رابطہ کے لئے اختیار کیا ہے۔ ان حضرات نے آدھی رات کو بھری خاطر آرام ترک کر کے یہاں آنے کی زحمت اٹھائی ہے میں ان کا بیحد شکر گذار ہوں اور ان کے لئے ہمہ وقت دعاگو ہوں۔

گاڑی چلنے کا وقت ہو چکا تھا۔ اس لئے مختصر سے تعارف کے بعد حضرت نے سب کے لئے دعا کی۔

بھلوال سے چل کر ملکوال اور دوسرے تمام اسٹیشنوں پر لوگ مولانا مدنی کی زیارت کے لئے آتے رہے اور حضرت ان سے پوری توجّہ اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرتے رہے۔

رات گاڑی جہلم پہنچی تو حضرت شیخ مدنی رح کے خلیفہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ، اپنے مریدین و معتقدین، جمعیۃ علماء اسلام اور احرار رضاکاروں سمیت اسٹیشن پر سراپا انتظار و استقبال تھے۔ جہلم اسٹیشن سے مولانا عبداللطیف صاحب کے مدرسہ میں گئے۔ رات وہاں قیام کیا۔ نمازِ فجر کے بعد حضرت مدنی کے ایک مخلص خادم جناب محمود صاحب کے ہاں ناشتہ کی دعوت تھی۔ محمود صاحب کا مکان دریائے جہلم کے قریب ہی پُر فضا محلہ میں واقع ہے۔

دعا اور ناشتہ کے بعد مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی مسجد میں آئے تو معلوم ہوا کہ راولپنڈی جانے کے لئے شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحب اور حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب کی طرف سے کار جہلم پہنچنے والی ہے اس اثناء میں مولانا مدنی کے سلسلہ بیعت سے منسلک ہونے والے حضرات کی کثیر تعداد جمع ہو گئی۔ مولانا نے انہیں توبہ کرائی اور کچھ خطاب بھی فرمایا۔ اسی دوران حکومتِ آزاد کشمیر کے سابق صدر اور تحریکِ آزادیٔ کشمیر کے مجاہد اوّل سردار عبدالقیوم خاں صاحب جو اتفاقاً وہاں سے گذر رہے تھے انہوں نے مسجد کے قریب لوگوں کا ہجوم دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہاں مولانا سید اسعد مدنی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ کی زیارت اور شرفِ ملاقات کے لئے سردار عبدالقیوم صاحب مسجد میں تشریف لے آئے۔ راقم الحروف نے آپ کا تعارف کرایا تو حضرت بہت خوش ہوئے۔ سردار صاحب چونکہ اپنے پروگرام کے مطابق آگے جا رہے تھے اس لئے یہ ملاقات مسجد میں صرف دعائے صحت و سلامتی اور خیر و عافیت تک محدود رہی۔

ادھر مولانا مدنی کے لئے راولپنڈی سے کار پہنچ چکی تھی اس لئے صبح ۸ بجے کے قریب ہم سب اس کار میں سوار ہو کر راولپنڈی کے لئے روانہ ہو گئے۔ (باقی آئندہ)

بچوں کا صفحہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

ملک مشکور حسین کمبوہ، ملتان

عزیز بھائیو! کیا آپ جانتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کون تھے؟ آئیے ہم خدام الدین کی محفل میں آج آپ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی زندگی کے حالات سے آگاہ کریں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۵۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابوحفص تھی اور لقب فاروق اعظم تھا۔ والد کا نام خطاب تھا۔ والدہ کا نام حفصہ تھا۔ آپ قریش کی شاخ بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ آٹھویں پشت میں آپ کا سلسلہ نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ لڑکپن میں عام عرب کے رسم و رواج کے مطابق بکریاں چرائیں۔ عہد شباب میں آپ کو سپہ گری اور شہسواری میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ بچپن میں آپ نے باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ تقریر کے لحاظ سے سب سے افضل تھے۔ اس لئے اہل قریش اپنا سفیر بنا کر بھیجتے تھے۔

قبولِ اسلام

شروع ہی سے اہل قریش کی طرح آپ بھی دین اسلام کے دشمن تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت تکلیفیں پہنچائیں یہاں تک (نعوذ باللہ) ایک دن آنحضرت کو شہید کرنے کے ارادے سے نکلے تلوار کو لیا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے ارادے سے مسجد نبوی کی طرف چل دئیے۔ راستہ میں حضرت نعیم رضی اللہ عنہ ملے۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ کیوں عمر! غصے کی حالت میں کدھر جا رہے ہو؟ کہا۔ آپ کے پیغمبر اسلام ؐ کو قتل کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔ تو اس وقت حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا۔ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی دائرۂ اسلام میں آ چکے ہیں۔ یہ بات سُن کر غصے کی حالت میں گھر تشریف لے گئے تو دروازہ کھٹکھٹایا۔ بہن سے کہا۔ دروازہ کھولو۔ تو بہنوئی نے فوراً قرآن کریم کو چھپا لیا۔ تلاوتِ قرآن کے چند الفاظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سُن لیے تھے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی دونوں کو خوب مارا۔ لیکن ان دونوں نے کہا۔ خواہ کچھ بھی ہو۔ ہم دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ آخرکار کہا۔ جو کچھ پڑھ رہے ہو مجھے بھی سناؤ تو بہن نے نہایت ترتیل سے قرآن کریم کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ ان آیات سے ایسا دل میں اثر ہوا۔ اسی وقت بہنوئی کو ساتھ لے کر آنحضرت ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسلام قبول کر لیا۔ آپ کے اسلام قبول کرنے سے دین اسلام کو عروج حاصل ہوا — رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے لئے خاص دعا فرمایا کرتے تھے۔

غزوۂ تبوک میں اپنا آدھا مال مالک حقیقی کی طرح پیش کر دیا۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیماری کے دَوران میں مہاجر اور انصار سے مشورہ کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نام خلافت کے لئے تجویز کیا۔ سب نے خلیفہ اول کی وفات کے بعد آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس موقع پر جو خطبہ دیا وہ یہ ہے:۔

"اے لوگو! میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ اگر مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمہارا حاکم بننا کبھی پسند نہ کرتا۔ امن سلامتی اور دیانت داری اختیار کرنے والوں میں بہت نرم ہوں۔ یاد رکھو، میں ظالموں کو حرف غلط کی طرح اُڑا دوں گا۔ میں تمہیں حق راست کی طرف سے لے جاؤں گا۔"

اب آپ رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھال لی۔ خلافت سنبھالتے ہی حد درجہ نرم ہو گئے۔ خاکساری کا یہ عالم تھا۔ کہ غریب اور بیوہ خواتین کے غریب خانوں پر جا کر اُن کا کام خود کرتے تھے۔ مجاہدوں کو ان کی بیویوں کے خطوط لکھ کر بھیجتے تھے — جب میدانِ جنگ سے ڈاک آتی تو خود جا کر ڈاک گھر گھر تقسیم کرتے — خدمتِ خلق کا جذبہ بہت تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیش بہا فتوحات ہوئیں۔ جن میں عراق، مدائن، ایران، شام، دمشق، فلسطین اور مصر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی۔

انتظامِ سلطنت

انتظام سلطنت بہت بلندپایہ تھا۔ محکمہ عدالت قائم کیا۔ جس میں عادل اور نیک قاضی، جج اور مجسٹریٹ مقرر فرماتے۔ مقدمات کا فیصلہ مسجد نبوی میں کیا کرتے تھے۔ فوج کا محکمہ باقاعدہ مقرر کیا۔ مجاہدوں کی بیوی بچوں کے وظیفے مقرر کئے گئے۔ آپ نے پولیس، جیل، ڈاک، ٹکسال اور محکمہ دیوانی کے مستقل علیحدہ علیحدہ محکمے قائم کئے۔ سرائیں تعمیر کرائیں، نہریں بنوائیں۔

مالی انتظامات

غیرمسلم شہریوں سے ان کی حفاظت کے لئے جزیہ وصول ہوتا تھا، زکوٰۃ ڈھائی فیصد وصول کی جاتی تھی — عشر ایک تجارتی ٹیکس تھا۔ یہ سب رقم بیت المال میں جمع ہوتی تھی۔

آپ نے سن ہجری کا آغاز کیا۔ اس سے پہلے اہل عرب میں سن وغیرہ رائج نہ تھا۔

شہادت

ایک بدبخت عیسائی غلام ابو لولو فیروز نے دین اسلام کے اس عظیم المرتبت خلیفہ پر سنہ ۶۴۴ء میں خنجر سے حملہ کر دیا۔ جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے — آخرکار عروج اسلام کا یہ روشن چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ٦٠٤٧

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

ٹیلیفون نمبر ٦٧٥٤٥

بدل اشتراک ہفت روزہ خدام الدین لاہور

پاکستان اور انڈیا میں سالانہ چندہ	..	١١
” ” ششماہی	..	٦
” ” ”	..	٣
سعودی عرب بذریعہ ہوائی جہاز سالانہ چندہ	..	٤٢
” ” بحری جہاز		١٥
ہوائی ڈاک ششماہی	..	٢١
” بحری	..	١١
انگلینڈ بذریعہ ہوائی ڈاک سالانہ	٤٠	٧٣
” ” بحری	٨٠	٣٢
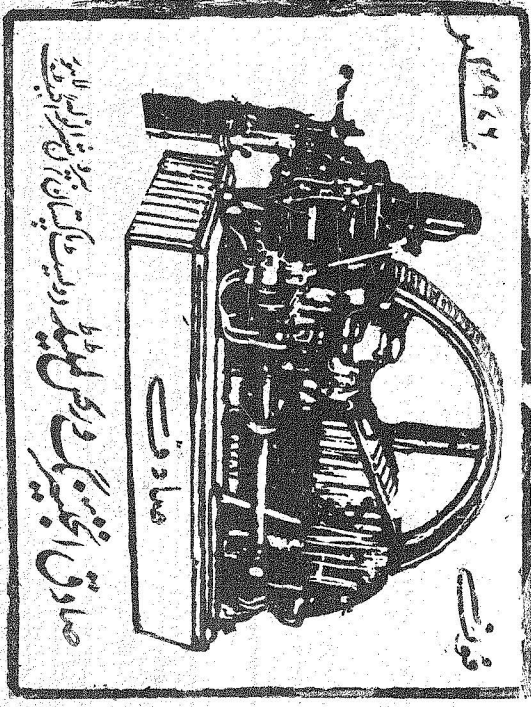
فیروز سنز لمیٹڈ لاہور میں باہتمام عبید اللہ انور پرنٹر چھپا اور دفتر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا

منظور شدہ محکمۂ تعلیم: (١) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/١٦٣٢١ مورخہ تین مئی ١٩٥٦ء (٢) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ٢٣٧-٢٤٨١ مورخہ ٧ ستمبر ١٩٥٦ء (٣) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ٩/٣٩ /٦٧ ٢٠-٩-٦٦ (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر ٢ GM/٣٠-٥٢١٠ مورخہ ١٢ مارچ ١٩٦٧ء